www.alrisala.org

الرسالہ

Al-Risala

February 2013 • No. 435 • Rs. 15

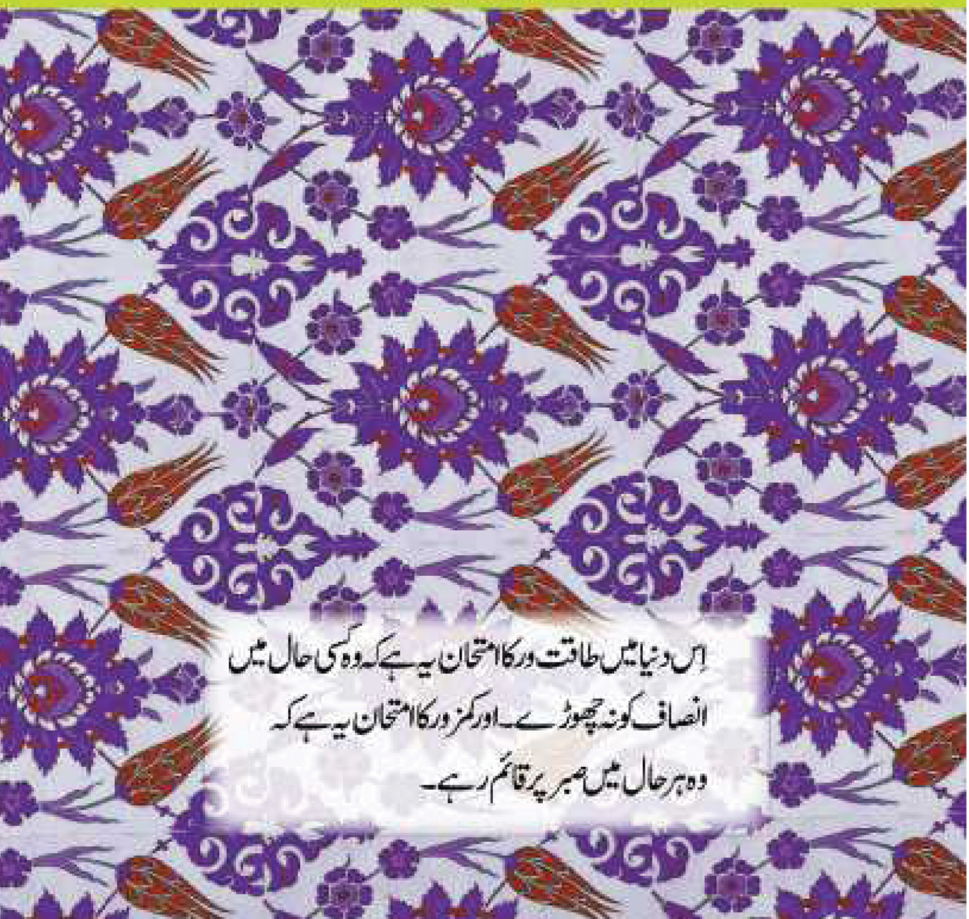

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risala Monthly

1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Mob. 8588822679, 8588822680
Tel. 011-41827083, 46521511,
Fax: 011-45651771
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Subscription Rates
Single copy ₹15
One year ₹150
Two years ₹ 300
Three years ₹ 450

By Registered Mail:
One year ₹400
Two years ₹ 800
Three years ₹1200
Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

فروری 2013

فہرست

اتمامِ نور	2
اسوۂ رسول	3
بہتر گھر، بہتر سماج	4
فضائل کی روایات	5
تخلیقی ضعف ایک رحمت	6
شکر کا ایک آئٹم	7
حساب کا وقت	8
اسلام فطرت کی آواز	9
پانچ فقہی اسکول	12
امت میں اختلاف کا مسئلہ	17
مخاصمت نہیں	18
دورِ سائنس اور مذہب	19
امید کی طاقت	33
کشمیر میں نئی سوچ کی ضرورت	34
بابری مسجد: ایک پیغام	36
سوال و جواب	37
خبر نامہ اسلامی مرکز—220	39

اتمامِ نور

قرآن کی سورہ التحریم کی ایک آیت میں اہلِ ایمان کی بابت یہ الفاظ آئے ہیں: يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (66:8) یعنی جس دن خدا پیغمبر کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا۔ اُن کا نور اُن کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔ وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب، تو ہمارے لیے ہمارے نور کو کامل کردے اور ہماری مغفرت فرما۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

قرآن کی اِس آیت میں 'نور' سے مراد کوئی خارجی نور نہیں ہے، بلکہ اِس سے مراد خود صاحبِ ایمان کی منور شخصیت (radiant personality) ہے۔ اِسی طرح 'اتمامِ نور' سے مراد کوئی خارجی نوعیت کا اتمامِ نور نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسا واقعہ ہے جو خود صاحبِ ایمان کی اپنی شخصیت کے اندر پیش آئے گا۔

اُن کا نور ان کے دائیں اور ان کے آگے دوڑ رہا ہوگا — اِس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی منور شخصیت اتنی زیادہ نمایاں ہوگی کہ وہ لوگوں کو دور سے دکھائی دے گی۔ سچا مومن جب کوئی عمل کرتا ہے تو اس کے عمل کا خارجی پہلو اِس دنیا میں لوگوں کو نظر آجاتا ہے، لیکن اس کے عمل کا باطنی پہلو دکھائی نہیں دیتا۔ سچے اہلِ ایمان کے عمل کا یہ چھپا ہوا پہلو آخرت میں عیاناً ظاہر ہوجائے گا۔ اِسی حقیقت کو قرآن میں، نور کے دوڑنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اتمامِ نور کا مطلب یہ ہے کہ خدایا، جس طرح دنیا میں ہمارے عمل کا خارجی پہلو ظاہر ہوا تھا، اُسی طرح تو ہمارے عمل کے داخلی پہلو کو بھی ظاہر کردے۔

مثال کے طور پر قرآن میں اہلِ ایمان کے لیے آیا ہے کہ: الَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ (23:60)۔ اِس آیت میں جس مومنانہ کردار کا ذکر ہے، اُس میں دیکھنے والوں کو صرف یہ نظر آئے گا کہ اُس نے مال کا ایک حصہ کسی کو دیا، لیکن اس کے عمل کا دوسرا پہلو کہ اُس وقت اُس کا دل خوفِ خدا کی کس کیفیت سے بھرا ہوا تھا، اُس کو دنیا میں کسی دیکھنے والے نے نہیں دیکھا۔ آخرت میں یہ ہوگا کہ ایسا مومن اپنی شخصیت کے دونوں پہلوؤں کے ساتھ نمایاں ہوجائے گا۔

اسوۂ رسول

اسلامی تعلیم کے مطابق، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ایک کامل پیغمبر ہیں۔ آپ کی سیرت میں انسان کی زندگی کے لیے بہترین نمونہ موجود ہے۔ ایک انسان اپنی زندگی کے تمام معاملات میں پیغمبر اسلام سے مستند ربانی ہدایت حاصل کرسکتا ہے۔ پیغمبر اسلام بلاشبہہ ایک رول ماڈل (role model) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اِسی کو قرآن میں اسوہ حسنہ (33:21) کہا گیا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کامل اسوہ بہ اعتبار فہرست (in terms of list) نہیں ہے، بلکہ وہ بہ اعتبارِ انطباق (in terms of application) ہے۔ یہ حقیقت ایک حدیثِ رسول سے معلوم ہوتی ہے۔ اس کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل کو (بطور عامل) یمن کی طرف بھیجا تو آپ نے معاذ بن جبل سے پوچھا کہ جب تمھارے سامنے کوئی معاملہ آئے گا تو تم اس کا فیصلہ کس طرح کروگے۔ انھوں نے کہا کہ میں اللہ کی کتاب سے اس کا فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ۔ انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم رسول اللہ کی سنت میں اور اللہ کی کتاب میں بھی نہ پاؤ۔ انھوں نے کہا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کمی نہیں کروں گا (أجتهد رأيي ولا آلو)۔ رسول اللہ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول کے فرستادہ کو اُس چیز کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔ (سنن أبي داؤد، رقم الحديث: 3592)

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معاذ بن جبل کو اعتماد تھا کہ وہ سنتِ رسول کے ذریعے تمام پیش آمدہ معاملات کا فیصلہ کرسکتے ہیں، لیکن یہ فیصلہ اِس اعتبار سے نہ تھا کہ سنت بہ اعتبارِ فہرست ایک مکمل فہرست ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ معلوم فہرست پر اجتہاد کا اضافہ کرکے وہ اس کو مکمل کرسکتے ہیں۔ اِس روایت سے جو اصول دریافت ہوتا ہے، وہ یہ ہے — سنت پلس اجتہاد برابر ہے کامل اسوہ رسول کے:

Sunnah plus Ijtihad is equal to *'Uswah-e-Kamilah'*

بہتر گھر، بہتر سماج

حضرت عائشہ کی ایک روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خیر کم خیرُ کم لأهله، وأنا خیر کم لأهلي (سنن الترمذي، رقم الحدیث: 3895) یعنی تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے سب سے اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم میں سب سے اچھا ہوں۔

خاندان کسی سماج کا ایک یونٹ ہے۔ خاندانوں کے مجموعے ہی کا دوسرا نام سماج ہے۔ اگر خاندان بہتر ہوگا تو سماج بھی بہتر ہوگا۔ اور اگر خاندان بہتر نہ ہو تو سماج بھی بہتر نہیں ہوسکتا۔ ہر شخص کسی خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ گویا کہ گھر، خاندان یا سماج کی پہلی تربیت گاہ ہے۔ اِس لیے اگر کسی سماج کو بہتر بنانا ہے تو خاندان کو بہتر بنانا ہوگا۔

تعلیم کی دو قسمیں ہیں — رسمی تعلیم (formal education)، اور غیر رسمی تعلیم (informal education)۔ رسمی تعلیم کا ادارہ آدمی کو جاب (job) کے لیے تیار کرتا ہے اور غیر رسمی تعلیم کا ادارہ سماج کے لیے بہتر افراد بنانے کا ذریعہ ہے۔ اسکول اور کالج رسمی تعلیم کے ادارے ہیں اور خاندان غیر رسمی تعلیم کے ادارے۔ سماج کے اندر وسیع تر دائرے میں مثبت اور منفی نوعیت کے جو تجربات ہوتے ہیں، وہ تمام تجربات گھر کے اندر محدود دائرے میں ہوتے ہیں۔ گھر کے اندر کسی عورت یا مرد کو یہ سیکھنا ہے کہ جب گھر کے کسی فرد سے اس کو تکلیف پہنچے تو وہ اُس کو بھلا دے۔ اِسی طرح جب گھر کے کسی فرد سے اس کو کوئی فائدہ پہنچے تو وہ دل سے اس کا اعتراف کرے۔

جو لوگ اپنے گھر کے اندر اِس طرح کی تربیت حاصل کریں، وہ جب گھر سے نکل کر سماج میں داخل ہوں گے تو وہاں بھی وہ دوسروں کے ساتھ اِسی طرح کا برتاؤ کریں گے۔ وہ ناخوشگوار باتوں کو بھلائیں گے اور خوش گوار باتوں پر دوسرے کے سلوک کا اعتراف کریں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اخلاقی اعتبار سے بہترین لوگ ہیں۔ ایسے ہی افراد کسی سماج کو بہتر سماج بناتے ہیں۔

فضائل کی روایات

مولانا شبلی نعمانی (وفات: 1914) نے ''سیرت النبی'' کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ: ''امام بیہقی کتاب المدخل میں ابنِ مہدی کا قول نقل کرتے ہیں: إذا رو ینا عن النبي صلى الله عليه وسلم في الحلال والحرام والأحكام شدّدنا في الأسانيد وانتقدنا في الرجال، وإذا رو ينا في الفضائل والثواب والعقاب سهلنا في الأسانيد وتسامحنا في الرجال (فتح المغیث، صفحہ 120) یعنی جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال وحرام اور احکام کے متعلق حدیث روایت کرتے ہیں تو ہم سند میں نہایت تشدد کرتے ہیں، اور راویوں کو پرکھتے ہیں۔ لیکن جب ہم فضائل اور ثواب اور عقاب کی حدیثیں روایت کرتے ہیں تو ہم سندوں میں سہل انگاری کرتے ہیں اور راویوں کے متعلق چشم پوشی سے کام لیتے ہیں''۔ (مقدمہ سیرت النبی، 1/52)

تدوین حدیث کے وقت محدثین نے دو قسم کی روایتوں میں جو فرق کیا، وہ بلاشبہہ ایک اجتہادی خطا کا معاملہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایت کے مطابق، ایسا کرنا اُن کے لیے درست نہ تھا۔ اِس معاملے میں اصل سوال یہ نہیں تھا کہ جو روایت اُن کو حدیث رسول کے نام پر پہنچ رہی ہے، وہ اپنے متن کے اعتبار سے، مسائل سے متعلق ہے یا فضائل سے متعلق۔ اصل سوال یہ تھا کہ جس روایت کو پیغمبرِ خدا سے منسوب کیا جارہا ہے، وہ باعتبار انتساب درست ہے یا نہیں۔ اِس معاملے میں یہ ایک ثانوی بات ہے کہ حدیث میں کوئی قانونی مسئلہ بیان ہوا ہے یا کسی عمل کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اصل سوال یہ تھا کہ پیغمبر خدا سے اس کا انتساب سنداً ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس معاملے میں محدثین نے دو قسم کی روایتوں کے درمیان جو تفریق کی، اس کا ہرگز اُنھیں حق نہ تھا۔ اِس معاملے میں محدثین کی حیثیت صرف ناقل کی تھی، ان کی حیثیت جج کی نہ تھی۔ ابتدائی دور کے محدثین کو جاننا چاہیے تھا کہ اگر انھوں نے روایتِ حدیث میں کوئی غلطی کردی تو یہ غلطی قیامت تک باقی رہے گی، عملاً وہ کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

تخلیقی ضعف ایک رحمت

بلیز پاسکل (Blaise Pascal) ایک فرانسیسی سائنس داں تھا۔ وہ 1623 میں پیدا ہوا اور 1662 میں صرف 39 سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا۔ 18 سال کی عمر میں وہ خرابی صحت (poor health) کا شکار ہوگیا۔ علاج کے باوجود وہ پھر کبھی صحت مند نہ ہوسکا۔ بلیز پاسکل ایک مسیحی خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ اپنی آخری عمر میں اس نے سائنس کو چھوڑ دیا اور مذہب (theology) کے مطالعے میں مشغول ہوگیا۔ پاسکل کی سوانح حیات میں اس کے بارے میں درج ہے کہ — آخری الفاظ جو پاسکل کی زبان سے نکلے، وہ یہ تھے:

Pascal's last words were: "May God never abandon me"!

پاسکل نے جو کچھ کہا، وہ دراصل انسانی فطرت کی آواز ہے — قرآن میں بتایا گیا ہے کہ: خُلِقَ الإنسانُ ضعیفاً (4: 28) یعنی انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

انسان کا تخلیقی ضعف انسان کے لیے ایک رحمت ہے۔ اِسی ضعف کا یہ نتیجہ ہے کہ انسان خدا کے مقابلے میں اپنے عجز (helplessness) کو دریافت کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو انسان اپنی حیثیتِ واقعی کی دریافت سے محروم رہ جائے۔ اِس دنیا میں ہر مائنس پوائنٹ (minus point) کا ایک پلس پوائنٹ (plus point) ہے۔ نادان آدمی مائنس پوائنٹ میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور دانش مند آدمی پلس پوائنٹ کو دریافت کرکے اپنی ترقی کا نیا راز پالیتا ہے۔

انسان کا تخلیقی ضعف اُس کو سرکش بننے سے بچاتا ہے، وہ آدمی کے اندر تواضع (modesty) کی صفت پیدا کرتا ہے، وہ آدمی کو اِس سے بچاتا ہے کہ وہ بے جا خود اعتمادی (over confidence) کی نفسیات میں مبتلا ہوجائے، وہ آدمی کو انسانِ حقیقی (man cut to size) بننے میں مدد دیتا ہے، وہ انسان کو خدا فراموشی کی برائی میں مبتلا ہونے نہیں دیتا، وہ انسان کو خدا سے قریب کرنے والا ہے، وہ انسان کو اِس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے معاملات کی حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی کرسکے۔

شکر کا ایک آئٹم

ایک روایت کے مطابق، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إذا عطس أحدكم فليقل الحمد لله، وليقل له أخوه أو صاحبه يرحمك الله، فإذا قال: يرحمك الله، فليقل: يهديكم الله ويصلح بالكم (صحيح البخاري، رقم الحديث: 6224) یعنی جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو وہ کہے: الحمد للہ (اللہ کا شکر ہے)۔ اُس وقت اس کا ساتھی یہ کہے: یرحمک اللہ (اللہ کی رحمت ہو تم پر)۔ اس کے بعد چھینکنے والا کہے: یھدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تم کو ہدایت دے اور تمھارے حالات کو درست کردے)

چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا محض کوئی رسمی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چھینک آنا شکر کا ایک آئٹم ہے۔ یہ بات ایک تازہ تحقیق سے علمی طور پر ثابت ہوئی ہے۔ اِس تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ چھینک کوئی بری چیز نہیں، وہ فطرت کا ایک عمل ہے۔ چھینک سے جسم میں تازگی آتی ہے:

> Sneezing revives your body: A sneeze is your body's way of rebooting naturally and patients with disorders of the nose such as sinusitis sneeze more often as they can't reboot easily, a new study said. Researchers from the University of Pennsylvania found that our noses require "reboot" by the pressure force of a sneeze. (*The Times of India,* New Delhi, August 2, 2012, p. 15)

اِس سے معلوم ہوا کہ چھینک آنا کوئی سادہ بات نہیں، چھینک آنا بھی شکر کا ایک آئٹم ہے۔ ہر چھینک پورے جسم کو تازگی عطا کرتی ہے۔ مزید یہ کہ چھینک اللہ کی نعمتوں کی ایک یاددہانی ہے۔ چھینک کے ذریعے ایک انسان اللہ کی ایک نعمت کو یاد کرکے جب اُس پر شکر ادا کرتا ہے تو اُس وقت اس کا ذہن بیدار ہوجاتا ہے۔ اِس ذہنی بیداری کی بنا پر انسان کو شکر کے دوسرے آئٹم بھی یاد آنے لگتے ہیں۔ شکر کے ایک آئٹم پر شکر کرکے آدمی شکر کے دوسرے آئٹم پر بھی شکر کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔

حساب کا وقت

راجیش کھنہ انڈیا کی فلم انڈسٹری کے پہلے سپر اسٹار تھے۔ ان کو عوام کے اندر غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، مگر آخری سالوں میں وہ مہلک بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ چناں چہ 18 جولائی 2012 کو بمبئی میں ان کی وفات ہوگئی، جب کہ ان کی عمر صرف 69 سال تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آخری وقت میں انھوں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا تھا کہ — ٹائم اب ہو گیا (Time up, pack up)۔

حقیقت کے اعتبار سے راجیش کھنہ کا یہ جملہ درست نہیں۔ اگر وہ زندگی کی حقیقت کو جانتے تو وہ کہتے کہ — ٹائم اب آ گیا، یعنی اب زندگی کے دوسرے دور میں داخلے کا وقت آ گیا، جہاں خالق کے سامنے پیشی ہوگی اور پورے کارنامۂ زندگی کا حساب لیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق، ابدی دورِ حیات کا فیصلہ ہوگا، یعنی ابدی جنت یا ابدی جہنم کا فیصلہ۔

ممبئی سی پی ایس ٹیم کے ایک داعی مسٹر محبوب اے ایچ نے راجیش کھنہ کی وفات سے کچھ ماہ پہلے ان کو ہمارے یہاں کا چھپا ہوا قرآن کا انگریزی ترجمہ پہنچایا تھا۔ اِس بات کی کوئی اطلاع نہیں کہ انھوں نے قرآن کے ترجمے کو پڑھا تھا یا نہیں، لیکن یہ واقعہ اور اِس طرح کے دوسرے واقعات ایک انتباہ (warning) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ تمام لوگ جو یہ مانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور یہ کہ قرآن واحد کتاب ہے جو یہ بتاتی ہے کہ انسان کے لیے اس کے خالق کا منصوبۂ تخلیق (creation plan of God) کیا ہے، اُن پر فرض ہے کہ وہ دنیا کے تمام انسانوں تک اِس کتاب (قرآن) کو پہنچا دیں۔

اگر پہنچانے والوں نے قرآن کو تمام انسانوں تک پہنچا دیا تو ان کی ذمے داری اللہ کے یہاں ساقط ہو جائے گی۔ ایسی حالت میں معاملہ خدا اور انسان کے درمیان ہوگا۔ لیکن اگر پہنچانے والوں نے قرآن کو لوگوں تک نہیں پہنچایا تو وہ خود اِس کے ذمہ دار قرار پائیں گے اور اب معاملہ خدا اور حاملینِ قرآن کے درمیان ہو جائے گا۔

اسلام فطرت کی آواز

اسلام انسان کی فطرت کی آواز ہے۔ اسلام اگر کسی ملاوٹ کے بغیر انسان کے سامنے آئے تو وہ اُس کے ذہن کو ایڈریس کرے گا، وہ خود اپنے داخلی شعور کے تحت اسلام کی اہمیت کو ماننے پر مجبور ہوجائے گا۔ تاریخ میں کثرت سے اِس کی مثالیں موجود ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانے میں مکہ کے لوگ شرک میں مبتلا تھے۔ مگر جب قرآن کے ذریعے ان کے سامنے اسلام کا پیغامِ توحید بے آمیز طور پر آیا تو ان کی اکثریت نے اسلام کو اپنے دل کی آواز سمجھ کر اس کو جلد یا بدیر قبول کرلیا۔

موجودہ زمانے میں بھی اِس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ ایک بنگالی ہندو جن کا نام ڈاکٹر نشی کانت چٹوپادھیا (وفات: 1910) تھا، انھوں نے اعلیٰ تعلیم پائی۔ وہ کئی زبانیں جانتے تھے۔ انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا۔ ان کی فطرت نے اسلام کی سچائی کی تصدیق کی۔ چناں چہ انھوں نے اسلام کو اپنے مذہب کی حیثیت سے قبول کرلیا۔ اِس کے بعد انھوں نے انگریزی زبان میں کئی کتابیں لکھیں۔ انھوں نے 1904 میں حیدرآباد (انڈیا) کے ایک جلسے میں اپنے اسلام کا اعلان کیا اور اپنا نام عزیز الدین رکھا۔

اِسی طرح مارماڈیوک پکتھال (Marmaduke Pickthall) ایک انگریز تھے۔ وہ عیسائی خاندان میں پیدا ہوئے۔ اسلام کی فطری تعلیمات نے ان کو متاثر کیا۔ چناں چہ انھوں نے اسلام قبول کرلیا اور اپنا نام محمد پکتھال رکھا۔ ان کی وفات 1936 میں ہوئی۔ انھوں نے انگریزی زبان میں قرآن کا مکمل ترجمہ کیا۔ یہ انگریزی ترجمہ کافی مقبول ہوا۔

موجودہ زمانے کے مسلمان یہود کو اسلام کا ازلی دشمن سمجھتے ہیں، مگر یہ بات یقینی طور پر غلط ہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ ہر زمانے میں یہودی، اسلام قبول کرتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر عبداللہ بن سلام مدینہ میں ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئے۔ وہ مدینہ کے ایک بڑے یہودی عالم تھے۔

ہجرت کے بعد انھوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ 663 عیسوی میں مدینہ میں ان کی وفات ہوئی۔

اسی طرح کعب الاحبار یمن کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک بڑے یہودی عالم تھے۔ انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔ حضرت عمر کے زمانے میں وہ یمن سے ہجرت کرکے مدینہ آ گئے۔ 652 عیسوی میں شام کے شہر حمص میں ان کی وفات ہوئی۔

بعد کی صدیوں میں بھی یہود کے قبولِ اسلام کا سلسلہ جاری رہا۔ موجودہ زمانے میں فلسطین کے سوال کو لے کر یہود اور مسلمانوں کے درمیان نہایت تلخ فضا قائم ہوگئی ہے۔ مسلسل طور پر دونوں کے درمیان تشدد کے واقعات ہو رہے ہیں۔ اِس کے باوجود موجودہ زمانے میں بھی یہود میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جنھوں نے کھلے طور پر اسلام قبول کیا۔

اس قسم کی ایک مثال محمد اسد (Leopold Weiss Muhammad Asad) کی ہے۔ وہ یوکرین (Ukraine) کے ایک یہودی خاندان میں 1900 میں پیدا ہوئے اور 1992 میں اسپین میں ان کی وفات ہوئی۔ انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور پھر 1926 میں انھوں نے اسلام قبول کرلیا۔ انھوں نے انگریزی زبان میں قرآن کی ایک مکمل تفسیر لکھی۔ اِسی طرح انھوں نے دوسری کتابیں اسلام کے موضوع پر تیار کیں۔

اِسی طرح کی ایک مثال مریم جمیلہ کی ہے۔ وہ 1934 میں نیویارک (امریکا) کے ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئیں۔ ان کا ابتدائی نام مارگریٹ مارکوس (Margret Marcus) تھا۔ انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور پھر 1961 میں اسلام قبول کرلیا اور اپنا نام مریم جمیلہ رکھا۔ انھوں نے انگریزی زبان میں اسلام پر کئی کتابیں لکھیں۔ 31 اکتوبر 2012 کو لاہور (پاکستان) میں ان کا انتقال ہوگیا۔

موجودہ زمانے کے مسلمانوں نے سب سے بڑی چیز جو کھوئی ہے، وہ مغل ایمپائر یا عثمانی ایمپائر جیسی چیزیں نہیں ہیں، بلکہ سب سے بڑی چیز جو انھوں نے کھوئی ہے، وہ دعوت الی اللہ کا ذہن ہے۔

موجودہ زمانے میں پوری دنیا کے مسلمانوں میں دعوت کا حقیقی ذہن مفقود ہے۔ اگر کوئی شخص دعوت کا نام لیتا ہے تو وہ بھی اپنے خود ساختہ مفہوم میں، نہ کہ قرآن وحدیث کے اصل مفہوم میں۔

موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا ذہن اسلام پسند ذہن نہیں ہے، بلکہ وہ قوم پسند ذہن ہے۔ اس قوم پسند ذہن کی بنا پر یہ ہوا ہے کہ ان کی ہر چیز پر قوم پسندی کا ذہن غالب آ گیا ہے۔

دعوت الی اللہ مسلم ملت کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ اِسی فریضے کے تصور سے ان کی سوچ درست ہوتی ہے، اِس فریضے کی ادائیگی سے ان کی تمام سرگرمیوں کا رخ صحیح ہوتا ہے، اِسی فریضے کی ادائیگی سے وہ اللہ کی نصرت کے مستحق بنتے ہیں۔ دعوت الی اللہ کی سوچ مسلم ملت کے لیے گویا ماسٹر فارمولا (master fomula) کی حیثیت رکھتی ہے۔ مسلمانوں کے اندر اگر دعوت الی اللہ کا تصور زندہ ہو تو ان کے تمام معاملات درست ہوں گے اور اگر دعوت الی اللہ کا تصور ان کے اندر زندہ نہ ہو تو ان کے تمام معاملات بگڑ جائیں گے۔

دعوتی شعور کے اِس فقدان کا ایک سنگین نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے کے مسلمان دوسری قوموں کو مدعو کے روپ میں نہ دیکھ سکے اور جب اِن قوموں کے کچھ افراد نے خود اپنی تلاش کے ذریعے اسلام قبول کیا تو وہ ان کو مزید دعوتی کام کے لیے استعمال نہ کر سکے۔ مثلاً محمد اسد کی ملاقات اسلام قبول کرنے کے بعد ڈاکٹر محمد اقبال (وفات: 1938) سے ہوئی۔ اقبال خود مسلم ریاست کا خواب دیکھتے تھے۔ چناں چہ انھوں نے محمد اسد کو بھی مسلم ریاست کے قیام کے بے نتیجہ کام پر ڈال دیا۔ محمد اسد کے لیے صحیح مشورہ یہ تھا کہ ان کو یہ بتایا جائے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں میں اسلامی دعوت کا کام کریں، نہ کہ مسلم ریاست کے قیام کے بے نتیجہ کام میں اپنا وقت ضائع کریں۔

یہی واقعہ مریم جمیلہ کے ساتھ پیش آیا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ 28 سال کی عمر میں پاکستان آ گئیں۔ یہاں ان کی ملاقات مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (وفات: 1979) سے ہوئی۔ مولانا مودودی، اسلام کی سیاسی تعبیر میں یقین رکھتے تھے اور اِسی راستے پر انھوں نے مریم جمیلہ کو بھی ڈال دیا۔ چناں چہ دونوں میں سے کوئی بھی مطلوب انداز میں دعوت الی اللہ کا کام نہ کر سکا، نہ محمد اسد اور نہ مریم جمیلہ۔

پانچ فقہی اسکول

مسلمانوں میں اِس وقت عملاً پانچ بڑے فقہی اسکول قائم ہیں — مالکی اسکول، حنبلی اسکول، شافعی اسکول، حنفی اسکول، جعفری اسکول۔ یہ تمام فقہی اسکول یہ مانتے ہیں کہ اُن کا دین ایک ہے، اور وہ اسلام ہے۔ اِس کے باوجود کیوں ایسا ہوا کہ ایک مذہب پانچ مذہبوں میں بٹ گیا۔ اُن میں اتنے زیادہ اختلافات ہوئے کہ سخت قسم کی گروہ بندی اور باہمی ٹکراؤ تک نوبت آ گئی۔

اِس گروہ بندی کے معاملے کو سمجھنے کے لیے مشہور مالکی عالم یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبرّ (وفات: 1071ء) کی کتاب 'جامع بیان العلم و فضلہ' ایک اچھے گائڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اِس کتاب سے اور اِس موضوع کی دوسری کتابوں سے اِس معاملے کی جو حقیقت سامنے آتی ہے، اُس کو ہم یہاں مختصر طور پر درج کریں گے۔

دوسرے مذہبی نظاموں کی طرح، اسلام کی مذہبی تعلیمات کے دو حصے ہیں — اساسات (basics)، اور فروع (non-basics)۔ اِس معاملے کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ اسلام کے دورِ اوّل (عہدِ رسالت، عہدِ صحابہ، عہدِ تابعین) میں یہ دونوں قسم کی چیزیں موجود تھیں، لیکن اُس زمانے میں یہ چیزیں گروہ بندی کا سبب نہیں بنیں۔ اختلافات کی بنیاد پر گروہ بندی کا واقعہ بعد کو عباسی دور میں پیش آیا۔

جیسا کہ معلوم ہے، عباسی دور میں اسلامی علوم کی تدوین ہوئی۔ اس زمانے میں زیادہ بڑے پیمانے پر حدیثیں جمع کی گئیں۔ اِن حدیثوں میں دوسری باتوں کے علاوہ، یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اصحابِ رسول کس طرح نماز ادا کرتے تھے۔ اِن روایتوں سے معلوم ہوا کہ نماز کا ایک حصہ وہ ہے جس میں صحابہ کے درمیان کوئی فرق یا اختلاف نہیں پایا جاتا تھا۔ مثلاً ہر صحابی کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ انھوں نے فجر کی نماز دو رکعت پڑھی، ظہر اور عصر کی نماز انھوں نے چار رکعت پڑھی، مغرب کی نماز انھوں نے تین رکعت پڑھی، اور پھر عشا کی نماز انھوں نے چار رکعتوں کے ساتھ پڑھی۔

اِس طرح نماز کا ایک پہلو وہ تھا جس کے بارے میں تمام صحابہ ایک ہی متعین طریقے کے پابند تھے، لیکن اِسی کے ساتھ نماز کے بعض دوسرے پہلوؤں کے بارے میں فرق یا اختلاف پایا جاتا تھا۔ مثلاً کسی نے نماز شروع کرتے ہوئے اپنے سینے پر ہاتھ باندھے، اور کسی نے سینے کے نیچے۔ قرأتِ فاتحہ کے بعد کسی نے آمین دھیرے سے کہی، اور کسی نے زور سے۔ نماز کے دوران کسی نے اللہ اکبر کہتے ہوئے رفعِ یدین کیا، اور کسی نے نہیں کیا، وغیرہ۔

جمعِ حدیث کے دوران جب عبادت کے اختلافات سامنے آئے، تو اب یہ سوال اٹھا کہ اِن اختلافات کی کیا توجیہہ کی جائے۔ اختلافات کو مٹانا ممکن نہ تھا، کیوں کہ یہ اختلافات سب کے سب، اصحابِ رسول کی طرف سے آرہے تھے، اور اصحابِ رسول وہ لوگ تھے جنھوں نے براہِ راست طور پر پیغمبر کی عبادت کا مشاہدہ کیا تھا۔ اُن کو مخاطَب کرتے ہوئے پیغمبر نے کہا تھا: صلّوا كما رأيتموني أصلّي (صحيح البخاري، رقم الحديث: 631/6008) ایسی حالت میں ہر طریقہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے مستند حیثیت رکھتا تھا۔ بظاہر یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس بنیاد پر ایک طریقے کو لیا جائے اور دوسرے طریقے کو چھوڑ دیا جائے۔

اِس موقع پر مسلم فقہا کی دو رائیں ہوگئیں۔ ایک رائے یہ تھی کہ: الحق لا يتعدد (تذكرة المؤتسي 1/402) یعنی حق کئی نہیں ہوسکتا، اِس لیے ہمیں عملی طور پر یہ کرنا ہوگا کہ ہم یہاں ترجیح (preference) کے اصول کو رائج کریں، یعنی کسی ایک رائے کو راجح قرار دینا، اور دوسری رائے کو مرجوح قرار دے کر اُس کو چھوڑ دینا۔

مگر اِس کے باوجود مسئلہ باقی رہا، کیوں کہ ترجیح کا اصول ہمیشہ اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے اور جہاں اجتہاد آیا، وہاں اختلاف رائے بھی لازماً آئے گا۔ چناں چہ ترجیح کے اِس اصول کا نتیجہ عملی طور پر یہ ہوا کہ لوگوں کے درمیان کئی رائیں بن گئیں۔ ہر ایک نے اپنی رائے کی صحت پر اصرار کیا۔ چناں چہ کسی نے ایک رائے کو ترجیح (preference) دی اور کسی نے دوسری رائے کو، اور اِس طرح لوگ کئی گروہ میں بٹ گئے۔ مختلف فقہی اسکول کے وجود میں آنے کا سبب یہی ہے۔

ترجیح کے اِس اصول پر بحث کرتے ہوئے محمد بن ادریس الشافعی (وفات: 820ء) نے درست طور پر لکھا ہے کہ: رأيي صواب يحتمل الخطأ، ورأي غيري خطأ يحتمل الصواب (الفتاوى الكبرى الفقهية 4/313) یعنی میری رائے درست ہے، اِس احتمال کے ساتھ کہ وہ غلط ہو۔ اور دوسری کی رائے غلط ہے، اِس احتمال کے ساتھ کہ وہ درست ہو۔

امام شافعی کے اِس قول سے اندازہ ہوتا ہے کہ اِس معاملے میں فقہا کا مسلک کتنا زیادہ غیر منطقی (illogical) تھا۔ جب ایک رائے کو ترجیح دینے کے بعد بھی اس کی عدم صحت کا احتمال موجود ہے، اور اِسی طرح جب ایک رائے کو ترک کرنے کے باوجود بھی اس کی صحت کا احتمال پایا جائے، تو ایسی ترجیح عملاً سرتاسر بے معنی ہوجاتی ہے۔ اِس کے بعد یہ ناممکن ہوجاتا ہے کہ آدمی پُریقین کیفیت کے ساتھ اپنی عبادت کر سکے، جب کہ عبادت کے ساتھ یقین کا عنصر لازمی طور پر ضروری ہے۔

محدثین کا مسلک اِس معاملے میں فقہا کے مسلک سے مختلف تھا، اور بلاشبہہ وہی مسلک زیادہ درست تھا۔ محدثین کے نقطۂ نظر کا اندازہ احمد بن حنبل (وفات: 855ء) کے ایک واقعے سے ہوتا ہے۔ محمد بن عبدالرحمن صیرفی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے پوچھا کہ اگر کسی مسئلے میں صحابہ کا اختلاف ہو تو کیا تنقید اور تمحیص کرنا چاہیے، تاکہ جس کے ساتھ حق نظر آئے، اس کی پیروی کی جائے۔ احمد بن حنبل نے جواب دیا کہ نہیں۔ انھوں نے کہا، پھر ہم کیا کریں۔ احمد بن حنبل نے کہا: تقلّد أيهم أحببتَ (جامع بيان العلم، صفحہ 83) یعنی تم جس صحابی کے قول کو چاہو، لے لو اور اس کے مطابق اس کی پیروی کرو۔

محدثین کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ انھوں نے روایتوں کے اِس فرق کو تنوع (diversity) پر محمول کیا، یعنی یہ بھی ٹھیک، اور وہ بھی ٹھیک۔ یہ نظریہ انھوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث سے اخذ کیا: أصحابي كا لنجوم، بأيّهم اقتديتم، اهتديتم (كشف الخفاء، جلد 1، صفحہ 146) یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ اُن میں سے تم جس کی بھی پیروی کروگے، راہ یاب ہوگے۔

اِس نقطۂ نظر کی حکمت یہ تھی کہ چیزوں میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ اُن کے کچھ اساسی اجزا

ہوتے ہیں، اور کچھ فروعی اجزا۔ یہ ایک عام اصول ہے کہ وحدت (oneness) اساسات میں مطلوب ہوتی ہے۔ جہاں تک فروع (non-basics) کا تعلق ہے، اُن میں ہمیشہ تنوع (diversity) ہوتا ہے۔ یہ ایک عمومی اصول ہے۔ فروع میں اگر تنوع نہ ہو تو اُس سے کٹر پن (rigidity) پیدا ہوتا ہے اور کٹر پن کسی بھی چیز کے لیے مفید نہیں۔

مزید یہ کہ خدا کی عبادت ایک زندہ عمل کا نام ہے۔ وہ کسی بے روح فارم کو دہرانے کا نام نہیں۔ عبادت کو جب اس کی زندہ اسپرٹ کے ساتھ انجام دیا جائے گا، تو یہی ہوگا کہ عبادت کے بنیادی اجزا کی حد تک تو یکسانیت ہوگی، لیکن اس کے فروعی اجزا میں تنوع پیدا ہو جائے گا۔

زندہ عبادت کبھی فروع میں یکسانیت کا تحمل نہیں کر سکتی۔ فروع میں یکسانیت لانے کی کوشش کرنا، عبادت کو بے روح رسموں کا ایک مجموعہ (set of rituals) بنا دینا ہے۔ ایسی عبادت ایک مشینی روبوٹ (robot) کی عبادت ہوگی، نہ کہ کسی زندہ انسان کی عبادت۔ عبادت، اعلیٰ کیفیات کے تحت کیا جانے والا ایک عمل ہے۔ ایسا عمل کبھی یکسانیت کے ساتھ ادا نہیں کیا جا سکتا۔

اصحابِ رسول کی عبادت کے بارے میں جو روایتیں آئی ہیں، ان کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی عبادت اگرچہ اساسات (basics) کے اعتبار سے یکساں انداز میں ہوتی تھی، لیکن غیر اساسی اجزا کے اعتبار سے، ان کے یہاں ہمیشہ تنوع پایا جاتا تھا۔ اِس قسم کی ایک مثال یہاں نقل کی جاتی ہے جس سے صحابہ کی عبادت کا اندازہ ہوگا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رفاعہ بن رافع الانصاری (وفات: 661ء) کی ایک روایت ہے، جو حدیث کی مختلف کتابوں میں آئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (مغرب کی) نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے رکوع کے بعد اپنا سر اٹھایا، تو آپ نے کہا: سمع اللہ لمن حمدہ۔ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے ایک شخص نے اُس میں اضافہ کرتے ہوئے کہا: ربّنا ولك الحمد، حمداً كثيراً طيّباً مباركاً فيه۔ نماز ختم ہوئی تو رسول اللہ نے پوچھا کہ کس شخص نے ایسا کہا تھا۔ اُس آدمی نے کہا کہ میں نے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نے تیس سے

زیادہ فرشتوں کو دیکھا۔ اُن میں سے ہر ایک سبقت کر رہا تھا کہ وہ پہلے اِس عمل کو لکھ لے (رأیتُ بضعةً وثلاثین ملکاً یبتدرونہا أیہم یکتبہا أوّل) صحیح البخاری، رقم الحدیث: 799۔

اِس طرح کے بہت سے واقعات، حدیث کی کتابوں میں رسول اور اصحابِ رسول کے بارے میں آئے ہیں۔ اِن واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ نماز کسی سیٹ پیٹرن (set pattern) کا نام نہیں، نماز ایک زندہ عمل کا نام ہے۔ کوئی زندہ عمل کبھی بھی لگے بندھے طریقے سے نہیں ہوسکتا۔ زندہ عمل کیفیت سے بھرا ہوا عمل ہوتا ہے، اور کیفیت کبھی یکسانیت کی پابند نہیں ہوسکتی۔

اِس سے نماز کے معاملے کو سمجھا جاسکتا ہے۔ نماز کے بنیادی ڈھانچے میں تو ہمیشہ یکسانیت پائی جائے گی، لیکن نماز کے فروعی اجزا ہمیشہ کیفیات کے تابع ہوتے ہیں۔ فروعی پہلوؤں میں کیفیت کا اظہار کبھی ایک طریقے پر ہوگا اور کبھی دوسرے طریقے پر۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادت کو ہر پہلو سے یکساں قسم کے ڈھانچے کا پابند بنانا، عبادت کی اسپرٹ کے بھی خلاف ہے، اور پیغمبر اور اصحاب پیغمبر کے نمونے کے بھی خلاف۔

تاریخ بتاتی ہے کہ محدثین کے زمانے میں، یا اُن سے پہلے، مختلف قسم کے فقہی اسکول موجود نہ تھے۔ یہ اسکول بعد کو فقہا کے دور میں بنائے گئے۔ ابتدائی دور میں مختلف فقہی اسکول کا بننا محض ایک سادہ واقعہ معلوم ہوتا ہے، لیکن دھیرے دھیرے بعد کے زمانے میں، وہ غلو آمیز گروہ بندی کی صورت اختیار کر گیا، جب کہ غلو اسلام میں نہیں (لا غلوَّ في الإسلام)۔

(نوٹ: مذکورہ موضوع پر مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب: تجدید دین)

سہارن پور (یوپی) میں مولانا وحید الدین خاں کی اردو، ہندی اور انگریزی کتابیں، قرآن مجید کے ترجمے، دعوتی لٹریچر اور ماہ نامہ الرسالہ حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:

Dr. M. Aslam Khan (Principal)
National Medical IGNOU Community College
38 Ayodhyapuram Mahipura Dehradun Road
Saharanpur, U.P.
www.nmicc.com, dr_aslm@rediff.com, +91 9997 153735

امت میں اختلاف کا مسئلہ

دینی مسائل کے بارے میں اختلاف، امت کے افراد میں ہمیشہ پایا گیا ہے۔ اِس طرح کے اختلافات کے بارے میں کچھ لوگوں نے شدت اختیار کی ہے اور اس کو حق اور ناحق کا مسئلہ بنا دیا۔ لیکن علماء اسلام کی اکثریت یہ مانتی ہے کہ غیر اساسی امور میں اختلاف فطری چیز ہے۔ ایسے اختلافات کو حق اور ناحق کا مسئلہ نہیں بنانا چاہئے۔ مثال کے طور پر مشہور حنبلی عالم عبد اللہ بن محمد قدامہ المقدسی (وفات: 1223ء) نے اپنی کتاب "المغني" کے مقدمہ میں اِس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علماء امت کا اختلاف ایک رحمتِ واسعہ ہے: اختلافهم رحمة واسعة۔

اختلاف کے معاملے کا یہی ایک پہلو نہیں ہے کہ اس میں شدت نہ اختیار کی جائے، بلکہ رایوں کے تعدّد کو توسّع پر محمول کرتے ہوئے ہر ایک کا احترام کیا جائے۔ اِس کے علاوہ، اِس کا ایک مزید مثبت پہلو بھی ہے۔ اِس معاملے کی طرف ایک روایت میں اشارہ کیا گیا ہے: اختلاف أمتي رحمة (تدریب الراوي للسیوطي 2/167) یعنی میری امت کا اختلاف ایک رحمت ہے۔

اختلاف سادہ طور پر صرف اختلاف نہیں، وہ رائے میں فرق کا نام ہے۔ اختلاف بند ذہن کو کھولتا ہے۔ رایوں کا فرق (difference of opinions) لوگوں کے اندر ڈسکشن اور ڈائلاگ کا ماحول پیدا کرتا ہے، وہ فکری ارتقا کا ذریعہ ہے۔ یہ اختلاف کا صحت مند پہلو ہے۔ اگر لوگوں میں رائے کا اختلاف نہ ہو تو ایسے گروہ کے اندر ذہنی جمود پیدا ہو جائے گا۔ اِس کے برعکس، جہاں رائے میں فرق پایا جائے، وہاں ذہنی ارتقا کا سلسلہ جاری رہے گا۔

اِس معاملے میں اصل اہمیت کی بات یہ ہے کہ لوگوں کے اندر علمی ذوق ہو۔ اُن کے اندر طلب پائی جائے۔ وہ کسی تعصب کے بغیر تبادلہ خیال کرنا جانتے ہوں۔ جن لوگوں کے اندر یہ مزاج ہو، اُن کے لیے اختلاف فکری ارتقا کا ذریعہ بن جائے گا، وہ لوگوں کے اندر تخلیقی صلاحیت پیدا کرنے کا باعث بنے گا، نہ کہ ذہنی جمود اور انتشار پیدا کرنے کا سبب۔

مخاصمت نہیں

مخاصمت اور اختلاف دونوں میں ایک چیز مشترک ہے، وہ یہ کہ دونوں کا آغاز ڈسپیوٹ (dispute) سے ہوتا ہے، لیکن عملی اعتبار سے دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ یہ فرق اتنا زیادہ ہے کہ اپنے نتیجے کے اعتبار سے، اختلاف پوری طرح ایک جائز فعل ہے اور مخاصمت پوری طرح ایک ناجائز فعل۔ درست اختلاف وہ ہے جو تمام تر علمی حقائق پر مبنی ہو، جس میں شروع سے آخر تک معلوم حقائق (objective facts) کی بنیاد پر گفتگو کی جائے۔

اِس کے برعکس، مخاصمت میں ساری بحث داخلی نیت پر حملہ اور الزام تراشی پر ہوتی ہے۔ اختلاف میں رایوں کا بدلنا ممکن ہوتا ہے۔ ایک فریق کی رائے اگر علمی تجزیے میں درست ثابت ہو تو دوسرا فریق کسی تاخیر کے بغیر اس کو تسلیم کر لیتا ہے۔

اختلاف کی حیثیت ایک علمی تبادلہ خیال (scientific discussion) کی ہوتی ہے۔ اِس سے دونوں فریق کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، وہ دونوں فریق کے لیے ذہنی ارتقا کا ذریعہ بنتا ہے۔ اختلاف اپنی حقیقت کے اعتبار سے، بحث وتکرار کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک اعلیٰ درجے کی علمی تلاش (scientific pursuit) کا نام ہے۔ اِس میں دونوں فریق ہار اور جیت کے تصور سے اوپر اٹھ کر مشترک طور پر امرِ حق کو دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اِس کے برعکس، مخاصمت ایک منفی سرگرمی کا نام ہے۔ مخاصمت ایک ایسا فعل ہے جو ہمیشہ علمی بددیانتی پر قائم ہوتا ہے۔ مخاصمت ایک ایسا فعل ہے جو غیر علمی بھی ہے اور غیر اخلاقی بھی۔ مخاصمت کا کوئی بھی مثبت فائدہ نہیں، نہ ایک فریق کے لیے، نہ دوسرے فریق کے لیے۔

مخاصمت یہ ہے کہ ایک شخص کو کسی سے عناد ہو جائے، وہ ہر حال میں اس کی تنقیص، اُس پر عیب زنی اور اس کے خلاف الزام تراشی میں لگا رہے — اختلاف ایک ملکوتی فعل (2:30) ہے اور مخاصمت تمام تر ایک شیطانی فعل۔

دورِ سائنس اور مذہب

انسان اپنے آپ کو ایک ایسی دنیا میں پاتا ہے، جہاں تخلیق (creation) ہے، لیکن اِس تخلیق کا خالق (Creator) بظاہر یہاں دکھائی نہیں دیتا۔ اِس دنیا میں ڈزائن ہے، لیکن بظاہر اِس دنیا میں ڈزائنر (designer) نظر نہیں آتا۔ اِس دنیا میں واقعات ہو رہے ہیں، لیکن واقعات کو وجود میں لانے والا آنکھوں سے اوجھل ہے۔ پوری کائنات ایک عظیم انڈسٹری کی طرح کام کر رہی ہے، لیکن اِس انڈسٹری کا انجینئر کسی خوردبین یا دوربین کے ذریعے دکھائی نہیں دیتا۔

انسان کو اِسی سوال کا جواب دینے کے لیے دنیا میں پیغمبر ظاہر ہوئے۔ پیغمبروں نے ہر زمانے میں انسان کو بتایا کہ یہاں محسوسات کے پیچھے ایک غیر محسوس ہستی موجود ہے۔ یہ خدا ہے، اُس کو مانو اور اس کی عبادت کرو۔ گویا کہ پیغمبروں کا رول ایک اعتبار سے، ایک قسم کا استنباطی رول (inferential role) تھا، یعنی انھوں نے انسان کو بتایا کہ تم کو چاہیے کہ تم اپنی عقل کو استعمال کرو اور دکھائی دینے والی چیزوں سے استنباط کر کے، نہ دکھائی دینے والے خدا پر اپنے یقین کی بنیاد قائم کرو۔

پیغمبروں نے اپنے اِس استنباطی رول کو مستند بنانے کے لیے یہ کیا کہ انھوں نے معجزے دکھائے۔ قرآن میں یہ بات اِن الفاظ میں آئی ہے: إِنَّا أرسلنا رُسُلنا بالبيّنات (57:25) یعنی پیغمبروں نے خرقِ عادت معجزے دکھائے، تاکہ انسان یہ یقین کر سکے کہ پیغمبر جو خبر دے رہے ہیں، وہ ایک درست خبر ہے۔ مثال کے طور پر پیغمبر موسیٰ پندرھویں اور سولھویں صدی قبل مسیح کے درمیانی زمانے میں مصر میں آئے۔ اُس وقت وہاں فرعون (Ramesses II) حکومت کر رہا تھا۔ فرعون نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ (7:106)۔ فرعون کے اِس مطالبے پر پیغمبر موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈالا، جو زندہ اژدہا بن کر زمین پر چلنے لگا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم 610ء میں پیغمبر کی حیثیت سے مکہ میں ظاہر ہوئے۔ آپ سے پہلے جو پیغمبر آئے، اُن کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے پیغام کی صداقت کے طور پر مذکورہ قسم کے معجزے دکھاتے رہے۔

لیکن پیغمبر اسلام، جو سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی تھے، ان کے بعد خارقِ عادت معجزات کا طریقہ ختم کر دیا گیا (17:59)۔ پیغمبر اسلام کے بعد کسی پیغمبر کا آنا موقوف ہو گیا، اور اسی کے ساتھ خارقِ عادات معجزات پیش کرنے کا سلسلہ بھی۔ اب پیغمبرانہ دعوت غیر پیغمبر داعیوں کے ذریعے دنیا میں جاری ہے، لیکن اب کوئی پیغمبر آنے والا نہیں۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک طرف یہ ہوا کہ دینِ حق اپنی اصل حالت میں پوری طرح محفوظ ہو گیا، یہاں تک کہ اب اُس میں کسی تحریف یا تبدیلی کا امکان نہیں۔ اب پیغمبرانہ مذہب کا متن بھی محفوظ ہے اور وہ زبان بھی محفوظ ہے جس میں یہ متن اوّلاً نازل ہوا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ معجزے کا بدل کیا ہے۔ پہلے دعوت کی صداقت معجزے کے ذریعے متحقّق کی جاتی تھی، اب دعوت کی صداقت کو متحقق کرنے کا ذریعہ کیا ہے۔ یہ ذریعہ جدید سائنس ہے۔ موجودہ زمانے میں سائنس، قدیم معجزے کا بدل ہے۔ آج سائنس ٹھیک وہی استدلالی رول انجام دے رہی ہے، جو قدیم زمانے میں معجزات کے ذریعے انجام پاتا تھا۔

مذہب کے حق میں استدلال کے یہ دونوں دَور قرآن میں واضح طور پر بتا دئے گئے ہیں۔ پہلے دورِ استدلال کے بارے میں قرآن میں یہ آیت ہے: إِنَّا أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ (57:25) یعنی ہم نے پیغمبروں کو اپنی صداقت کے ثبوت کے لیے معجزے دئے۔ دوسرے دورِ استدلال کو قرآن میں مستقبل کے صیغے میں بیان کیا گیا ہے۔ اِس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یہ ہے: سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (41:53)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ساتویں صدی عیسوی کے رُبع اوّل میں ہوا۔ آپ کے ظہور کے تقریباً ایک ہزار سال بعد جدید سائنس ظاہر ہوئی۔ جدید سائنس کا یہ ظہور محض اتفاقی نہ تھا، وہ پیغمبر اسلام کے لائے ہوئے انقلاب کا ایک براہِ راست نتیجہ تھا۔ پیغمبر اسلام کے لائے ہوئے انقلاب کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اُس نے پہلی بار شرک کے غلبے کو ختم کر دیا۔ شرک کے غلبے کے خاتمے کے بعد تاریخ میں ایک نیا پراسس شروع ہوا۔ اِس پراسس کے نقطۂ انتہا کا دوسرا نام سائنس ہے۔

شرک کیا ہے۔ شرک دراصل نیچر ورشپ (nature worship) کا دوسرا نام ہے۔ انسان نے

قدیم زمانے میں فطرت کے مظاہر کو پرستش کا موضوع بنا دیا تھا۔ اِس طرح شرک، نیچر کی تحقیق اور تسخیر کے عمل کے سلسلے میں ایک قسم کا ذہنی مانع (mental block) بن گیا تھا۔ کیوں کہ جس چیز کو آپ پرستش کا موضوع بنالیں، اُس کو عین اُسی وقت آپ تحقیق کا موضوع نہیں بنا سکتے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے انقلاب کے بعد تاریخ میں ایک نیا عمل شروع ہوا۔ انسان نیچر کی تحقیق میں مصروف ہوگیا۔ یہ تحقیق مسلسل جاری رہی، یہاں تک کہ وہ دریافتیں شروع ہوئیں، جن کو سائنسی دریافتیں کہا جاتا ہے۔ فطرت کے اندر چھپے ہوئے راز معلوم واقعات بن کر سامنے آنے لگے۔ یہ عین وہی چیز تھی جس کو قرآن میں آفاق اور انفُس میں آیات کے ظہور سے تعبیر کیا گیا تھا۔ جدید سائنس دراصل نیچرل سائنس کا دوسرا نام ہے، اور یہ بلاشبہہ قرآن کی پیشین گوئی کا جواب بن کر ظاہر ہوئی ہے۔

اِس اعتبار سے دیکھا جائے تو جدید سائنس قدیم طرز کے معجزات کا بدل ہے۔ جدید سائنس، دینِ حق کا علمِ کلام (Theology) ہے۔ جدید سائنس اُس دین کو علمِ انسانی کے معیار پر ثابت شدہ بنا رہی ہے، جس کو قدیم زمانے میں خارقِ عادت معجزات کے ذریعے ثابت شدہ بنایا جاتا تھا۔

واضح ہو کہ جدید سائنس کے دو پہلو ہیں۔ ایک نظریاتی سائنس (theoretical science) اور دوسرے، ٹکنکل سائنس (technical science)۔ نظریاتی سائنس، جدید ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے حقائقِ کون یا حقائقِ کائنات کو دریافت کر رہی ہے۔ اِس کے مقابلے میں ٹکنکل سائنس اس کے عملی پہلو کا نام ہے۔ ٹکنکل سائنس کے ذریعے جدید مشینی تہذیب وجود میں آئی ہے۔ اِس مقالے میں ہماری بحث ٹکنکل سائنس سے نہیں ہے، بلکہ نظریاتی سائنس سے ہے۔ موجودہ زمانے میں نظریاتی سائنس کا ایک مشہور سائنس داں اسٹفن ہاکنگ (Stephen Hawking) ہے۔ اِس موضوع پر اسٹفن ہاکنگ کی کئی کتابیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔

یہ بات ایک حدیثِ رسول میں اِن الفاظ میں ملتی ہے: ما من الأنبياء نبيّ إلا أعطي من الآيات ما مثلُه آمن عليه البشر۔ وإنّما كان الّذي أوتيتُه وحياً أوحاه الله إليّ۔ فأرجو أن أكون أكثرهم تابعاً يومَ القيامة (صحيح البخاري، رقم الحديث: 4981) نبیوں میں سے ہر نبی کو

ایسی نشانیاں دی گئیں، جن کو اُس زمانے کے لوگ مانتے تھے۔ اور مجھ کو وحی (قرآن) کا معجزہ دیا گیا۔ اِس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت میں مجھ پر ایمان لانے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔

اصل یہ ہے کہ قدیم زمانے میں علم انسانی کا ارتقا بہت کم ہوا تھا، اِس لیے یہ ممکن نہ تھا کہ خود علمِ انسانی کے مسلّمات کے حوالے سے دینِ حق کی صداقت کو مدلل کیا جائے۔ اِس لیے قدیم زمانے میں پیغمبروں کے ذریعے خارقِ عادت معجزات دکھائے گئے۔ یہ معجزات معاصر انسان کے مانوس دائرے کے اعتبار سے ہوتے تھے۔ مگر قرآن کے بعد دنیا میں جو انقلاب آیا، اس کے بعد بتدریج ایسا ہوا کہ علمِ انسانی میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ اب یہ ممکن ہو گیا کہ خود علمِ انسانی کے مسلّمات کی سطح پر دینِ حق کو مدلل کر کے پیش کیا جا سکے۔

دونوں دور میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ معجزہ معاصر انسان کو اپنے عجز کا تجربہ کراتا تھا، لیکن اُس میں یہ پہلو شامل نہ تھا کہ مدعو کو خود اپنے مسلّمات کی سطح پر دینِ حق کی دلیل نظر آنے لگے۔ بعد کے زمانے میں جب علمی مسلمات کی سطح پر استدلال ممکن ہو گیا تو فطری طور پر یہ ہوگا کہ اِس قسم کا استدلال مقابلۃً ایک عمومی اور عالمی استدلال بن جائے گا۔ اِس طرح یہ ممکن ہو جائے گا کہ بعد کے زمانے میں ہر انسانی گروہ پیغامِ نبوت کی اہمیت کو سمجھے اور خود اپنے مسلّمات کی روشنی میں اُس پر یقین کر سکے۔ اِس کا ایک فائدہ فطری طور پر یہ ہوگا کہ بعد کے زمانے میں اِس پیغام کو ماننے والوں کی تعداد میں اضافے کا امکان بھی زیادہ بڑھ جائے گا۔

قدیم معجزاتی دلیل اور جدید سائنسی دلیل دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں ہی استنباط (inference) کی سطح پر دینی عقائد کی دلیل فراہم کرتے ہیں۔ قدیم زمانے میں جب ایک پیغمبر حسّی معجزہ دکھاتا تھا تو ایسا نہیں ہوتا تھا کہ معجزہ ایک آئینہ ہو، جس میں پیغمبر کا اصل دعویٰ مشاہداتی طور پر نظر آنے لگے۔ جو کچھ ہوتا تھا، وہ یہ کہ معجزہ دیکھ کر مدعو یہ استنباط کر سکتا تھا کہ جب یہ شخص ایک ایسا واقعہ کر رہا ہے جس پر دوسرے انسان قادر نہیں، تو ضرور اِس شخص کو خدا کی نصرت حاصل ہے۔

یہی معاملہ سائنسی دلیل کا بھی ہے۔ سائنسی دلیل میں ایسا نہیں ہوتا کہ پیش کردہ دلیل براہِ راست معنوں میں اصل دعوے کا مظاہراتی ثبوت بن جائے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ پیش کردہ دلیل بالواسطہ معنوں میں یہ موقع دیتی ہے کہ استنباطی طور پر وہ اصل دعوے کو قابلِ فہم اور قابلِ یقین بنا دے۔ تاہم

جدید سائنسی دلیل میں ایک مزید پہلو موجود ہے، جس کی بنا پر یہ ہوتا ہے کہ پیش کردہ دلیل بالواسطہ معنوں میں یہ موقع دیتی ہے کہ استنباطی طور پر وہ اصل دعوے کو قابلِ فہم اور قابلِ یقین بنا دے۔ تاہم جدید سائنسی دلیل میں ایک مزید پہلو موجود ہے، جس کی بنا پر اس کو آرگومینٹ پلس (argument plus) کہا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ جدید سائنسی دلیل خود مدعو کے عقلی مسلّمہ (rational axiom) کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔

یہ فرق اُس جدید علم کی بنا پر پیدا ہوا ہے، جس کو نیوکلیر سائنس کہا جاتا ہے۔ قدیم فزیکل سائنس، عالمِ کبیر (macro world) کی سطح پر مبنی تھی۔ مگر بیسویں صدی میں اس کے اندر ترقی ہوئی، اور ایک نئی سائنس وجود میں آئی جس کو نیوکلیر سائنس کہا جاتا ہے۔ نیوکلیر سائنس کے تحت، انسان اِس قابل ہوگیا کہ وہ عالمِ صغیر (micro world) تک رسائی حاصل کرسکے، جب کہ اِس سے پہلے وہ صرف عالمِ کبیر تک محدود تھا۔ اُس وقت یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہر حقیقی چیز اپنا ایک مادّی جسم رکھتی ہے جس کو ناپا اور تولا جاسکے، لیکن عالمِ صغیر کی دریافت نے یہ صورتِ حال بدل دی۔ اب یہ معلوم ہوا کہ چیزیں اپنے آخری تجزیے میں اتنا زیادہ ''صغیر'' ہوجاتی ہیں کہ اُن کو صرف امکانی لہروں (waves of probability) کا نام دیا جاسکتا ہے۔

عالمِ صغیر کے بارے میں اِس نئی دریافت نے علم میں جو انقلاب پیدا کیا، اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ علمی استدلال کا معیار بدل گیا۔ اب یہ معلوم ہوا کہ استنباطی استدلال بھی اتنا ہی معقول استدلال ہے، جتنا کہ غیر استنباطی استدلال یا براہِ راست استدلال۔ کیوں کہ علم کا دریا اب جس مقام پر پہنچا تھا، وہاں براہِ راست استدلال کا طریقہ قابلِ عمل ہی نہ رہا۔ اب لازم ہوگیا کہ استنباطی استدلال کو بھی معقول استدلال کا درجہ دیا جائے، تاکہ نئے دریافت کردہ عالمِ صغیر کے قوانین کو مرتب کیا جاسکے۔

علمِ انسانی میں اِس ارتقا کے بعد یہ ممکن ہوگیا ہے کہ مذہبی عقائد کو عین اُسی سطح پر ثابت شدہ بنایا جاسکے، جس سطح پر مادّی دنیا کی چیزوں کو ثابت شدہ بنایا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ — دنیا میں ڈزائن کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ یہاں ایک ڈزائنر موجود ہے، اپنی نوعیت کے اعتبار سے ویسا ہی ایک معقول استدلال ہے، جیسا کہ مادّی دنیا کے بارے میں سائنسی استدلالات۔

چند مثالیں

یہاں ہم اِس نوعیت کی چند مثالیں درج کریں گے۔ اِن مثالوں سے اندازہ ہوگا کہ کس طرح جدید سائنس، قدیم طرز کے معجزات کا بدل فراہم کررہی ہے۔ کس طرح اب یہ ممکن ہوگیا ہے کہ دینی حقائق، جو پچھلے زمانے میں خارقِ عادت معجزات کی سطح پر پیغمبر کے معاصرین کے سامنے پیش کیے جاتے تھے، اُن کو اب خود علمِ انسانی کے معروف مسلّمات کی بنیاد پر پیش کیا جاسکے۔ گویا کہ اب جدید علمِ کلام نے قدیم معجزے کی جگہ لے لی ہے۔ آج کے ایک داعی کو اپنی دعوت کے حق میں معجزہ دکھانا نہیں ہے، بلکہ اُس کے لیے یہ ممکن ہوگیا ہے کہ وہ وقت کے علمی مسلّمات کی روشنی میں اپنی دعوت کو مدلل کرے۔ وہ جدید ذہن کو خود اُس معیار پر ایڈریس کرسکے جس کا اعتراف وہ پہلے سے کیے ہوئے ہے۔

1- مذہب کے اعتبار سے سب سے پہلا مسئلہ وجودِ خداوندی کے اِثبات کا ہے۔ اِس معاملے میں علمِ انسانی میں ایک نیا ارتقائی واقعہ وجود میں آیا ہے۔ پہلے، خدا کو صرف عقیدے کا ایک مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ اب وہ انسانی سائنس کے دائرے کی چیز بن چکا ہے۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ جدید سائنس نے خدا کے وجود کو ایک سائنسی دلیل کی حیثیت دے دی ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے، سائنس کے مطالعے کا موضوع خدا یا خالق کا وجود نہیں ہے۔ سائنس کا موضوع نیچر یا تخلیق (creation) کا مطالعہ ہے۔ سائنسی مطالعے کے ابتدائی دور میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ تمام چیزیں معلوم اسباب کے تحت وجود میں آتی ہیں، اِس لیے کسی مسبّب کو مطالعے کا موضوع بنانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بعد کے سائنسی مطالعے نے اِس نظریے کو بے بنیاد ثابت کردیا۔ سائنس کے تفصیلی مطالعے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ نیچر یا کائنات میں ہر وقت ان گنت واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ ہر واقعے میں نیچر کے سامنے بے شمار انتخابات (options) ہوتے ہیں، لیکن نیچر ہر موقع پر اُسی انتخابات کو لیتی ہے جو سب سے زیادہ بامعنیٰ ہو۔

اِس مطالعے نے سائنس دانوں کو یہ ماننے پر مجبور کیا ہے کہ اِس کائنات کے پیچھے ایک ذہین دماغ (intelligent mind) یا ریاضیاتی دماغ (mathematical mind) ہے۔

نیچر کے پیچھے ایک برتر ذہانت کی موجودگی کو مانے بغیر اس کی توجیہہ ممکن نہیں۔ اِس معاملے کو ایک سائنس داں نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے— کائنات کا مادّہ ایک ذہین مادّہ ہے:

The stuff of the world is mind-stuff.

2- قدیم زمانے میں یہ کہا جاتا تھا کہ خدا کو ماننے کی صورت میں اُس کو ابدی ماننا پڑتا ہے، جب کہ ہمیں اس کا براہِ راست کوئی علم نہیں۔ مگر کائنات ہمارے لیے ایک معلوم اور مشہود چیز کی حیثیت رکھتی ہے، پھر خدا کو ابدی ماننے کے بجائے کیوں نہ خود کائنات کو ابدی مان لیا جائے۔ لیکن بگ بینگ (Big Bang) کی دریافت کے بعد اِس قسم کے عقیدے کو ماننا ناممکن ہو گیا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے، 2006 کا فزکس نوبل پرائز دو امریکی پروفیسروں کو مشترک طور پر دیا گیا۔ یہ دونوں پروفیسر بگ بینگ کے سائنسی نظریے پر کام کر رہے تھے اور اُس پر انھوں نے ایک کتاب چھاپی تھی۔ دونوں پروفیسروں کے نام یہ ہیں:

John C. Mather(60), George F. Smoot (61)

امریکا کے ادارہ ناسا نے 1989 میں ایک راکٹ بیرونی خلا میں بھیجا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ وہ بگ بینگ دھماکے سے نکلنے والے ریڈی ایشن (Cosmic Background Radiation) کا مطالعہ کرے اور اس کا فوٹو لے کر زمین پر بھیجے۔ اس راکٹ کا نام یہ تھا:

Cosmic Background Explorer

اِس تحقیق کے ذریعے حاصل کردہ معلومات کا تجزیہ کرنے سے بگ بینگ کے نظریے پر مزید روشنی پڑی ہے۔ اُس نے اِس نظریے کو اسٹرانگ سپورٹ (strong support) دی ہے، اور کائنات کی عمر کا حتمی تعیّن کر دیا ہے۔ اِس تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بگ بینگ کا واقعہ 13 بلین سال پہلے ہوا۔ رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں:

> It helped pinpoint the age of the universe, and supported the Big Bang theory of its birth (*The Times of India,* October 4, 2006, p. 17).

بگ بینگ کا نظریہ ابتدائی طور پر بیسویں صدی عیسوی کے رُبع اوّل میں دریافت ہوا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ کائنات کا آغاز ایک عظیم انفجار (explosion) سے ہوا۔ اس کے بعد اِس نظریے پر کام ہوتا رہا، یہاں تک کہ اب یہ نظریہ ایک ثابت شدہ واقعہ بن چکا ہے۔

بگ بینگ کا نظریہ علم العقائد یا تھیالوجی کے اعتبار سے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اِس سے خالص انسانی علم کی سطح پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ کائنات ابدی نہیں ہے، بلکہ وہ ایک وقتِ خاص پر پیدا ہوئی۔ اس کی یہ پیدائش ایک بہت بڑے دھماکے کے ذریعے ہوئی۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ سب کچھ اتفاقی طور پر نہیں ہوسکتا۔ اس کو وقوع میں لانے کے لیے ایک خارجی عامل (external factor) درکار ہے۔ اس طرح بگ بینگ کا واقعہ اِس نظریے کے حق میں ایک مضبوط منطقی سپورٹ بن گیا ہے کہ اِس کائنات کو ایک پیدا کرنے والے نے پیدا کیا۔ بگ بینگ کا واقعہ معلوم ہونے کے بعد اس کی کوئی دوسری نظریاتی توجیہہ ممکن نہیں۔

3- کائنات کی ترکیب اِس طرح ہوئی ہے کہ یہاں ہر صداقت (truth) کا مادّی مظاہرہ (physical demonstration) پایا جاتا ہے۔ اِس طرح ایک غور کرنے والے انسان کے لیے تمام غیر مرئی صداقتیں (invisible truths) مرئی سطح (visible level) پر قابلِ فہم بن جاتی ہیں۔ اِس قسم کی مثالوں میں سے ایک مثال وہ ہے جس کو موجودہ زمانے کی فلکیاتی اصطلاح میں بلیک ہول (Black Hole) کہا جاتا ہے۔ بلیک ہول کا نظریہ تقدیر اور تدبیر، یا انسانی آزادی اور خدائی جبر کے درمیان نازک تعلق کو قابلِ فہم بنا رہا ہے۔

فلکیات (astronomy) کے جرمن عالم کارل (Karl Schwarzschild) نے 1907 میں اپنے قیاس کے تحت یہ پیشین گوئی کی کہ خلا میں ایسے بڑے بڑے ستارے ہوسکتے ہیں جن کی قوتِ کشش اتنی زیادہ ہو کہ وہ اپنی روشنی کو بھی روکے ہوئے ہوں اور ان کی روشنی باہر نہ آسکتی ہو۔ چوں کہ انسان کسی چیز کو صرف روشنی کی مدد سے دیکھ سکتا ہے، اِس لیے یہ عظیم ستارے خلا میں موجود ہونے کے باوجود انسان کے لیے ناقابلِ مشاہدہ ہیں۔ اِس نظریے پر تحقیق جاری رہی، یہاں تک کہ فلکیات دانوں نے ایسے ستاروں کی امکانی موجودگی پر اتفاق کرلیا، اور ایسے ستاروں کا نام 'بلیک ہول' رکھا گیا۔

الٰہیات کے میدان میں قدیم زمانے سے یہ بحث جاری ہے کہ اِس دنیا میں انسان آزاد ہے، یا مجبور۔ بظاہر انسان اِس دنیا میں اپنے آپ کو آزاد پاتا ہے، لیکن جب خدا قادرِ مطلق ہے تو یہ بات ناقابلِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ خدا کی قدرتِ کاملہ کے درمیان انسان کو خود مختاری حاصل ہو۔ اِس تصور پر بہت زیادہ لکھا گیا ہے۔ اردو شاعر میر تقی میر (وفات: 1810) نے اِسی بات کو اِس طرح نظم کیا ہے:

ناحق ہم مجبوروں پر، یہ تہمت ہے مختاری کی چاہے ہیں سو آپ کرے ہیں، ہم کو عبث بدنام کیا

مگر یہ اعتراض ایک غیر منطقی اعتراض ہے۔ کیوں کہ خدا کو اگر ہر قسم کا اختیار حاصل ہے تو اُس کو یقیناً یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی مقام پر اپنی قدرت کو محدود کرلے۔ وہ کامل اختیار رکھتے ہوئے عارضی مصلحت کی بنا پر اپنے اختیار کو وقتی طور پر روک لے۔ یہ قیاس بظاہر ایک نظری قیاس ہے، لیکن بلیک ہول کی دریافت نے اِس قیاس کے لیے مظاہراتی سطح پر ایک عملی تصدیق فراہم کردی۔ بلیک ہول کا نظریہ اِس قیاس کو قابلِ فہم بنا رہا ہے۔

ایمسٹرڈم (نیدرلینڈس) میں ماہرینِ طبیعیات (physicists) کی ایک انٹرنیشنل کانفرنس ہوئی۔ اِس موقع پر فزکس کا نوبل پرائز پانے والے ایک سائنس داں مسٹر جیمس واٹسن (James Watson Cronin) نے اپنے مقالے میں بتایا کہ ہماری کائنات کا 96 فی صد حصہ سیاہ مادّہ (dark matter) پر مشتمل ہے۔ اُس کی روشنی یا ریڈی ایشن ہم تک نہیں پہنچتا، اِس لیے ہم اُس کو براہِ راست طور پر دیکھ نہیں پاتے:

Dark matter can not be detected directly, because it does not emit or reflect light or radiation.

جیمس واٹسن نے مزید کہا کہ — ہم سمجھتے ہیں کہ ہم کائنات کو جانتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم ہر چیز کے صرف 4 فی صد حصے کو جان سکتے ہیں:

We think we understand the universe, but we only understand four percent of everything. (*The Times of India*, September 23, 2007, p. 20)

4- قرآن خدا کی طرف سے آئی ہوئی ایک محفوظ کتاب ہے۔ قرآن کے آغاز ہی میں یہ آیت

شامل ہے: ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (2:2) یعنی یہ خدا کی کتاب ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں۔ اِس کے ساتھ قرآن کا یہ اعلان تھا کہ وہ ابدی طور پر سارے انسانوں کے لیے کتابِ ہدایت ہے۔ وہ کسی زمانے یا کسی مقام کے لیے نہیں ہے، بلکہ ہر دور اور ہر انسانی گروہ کے لیے ہے۔

قرآن کے اِس دعوے کی صداقت کے لیے ضروری تھا کہ بعد کے زمانے کے حالات اس کی تصدیق کرتے رہیں۔ بعد کے زمانے میں ایسا کوئی واقعہ پیش نہ آئے جو اِس بیان کی تردید کرنے والا ہو۔ قرآن کا یہ بیان حیرت انگیز طور پر اِس معیار پر پورا اترا ہے۔ راقم الحروف نے اِس موضوع سے متعلق اس کے مختلف پہلوؤں پر کئی مضامین اور کتابیں تیار کی ہیں۔ مثلاً تاریخی پہلو، نفسیاتی پہلو، حیاتیاتی پہلو اور سائنسی پہلو، وغیرہ۔ یہاں اِس سلسلے میں صرف ایک مثال نقل کی جاتی ہے۔

قرآن کی سورہ یونس میں یہ بتایا گیا تھا کہ پندرھویں صدی قبل مسیح میں خدا نے مصر کے فرعون (Ramesses II) کو سمندر میں غرق کیا۔ کیوں کہ اُس نے خدا کے پیغمبر موسیٰ کا انکار کیا تھا۔ اُس وقت خدا نے کہا تھا کہ — آج ہم تمھارے جسم کو محفوظ کردیں گے، تاکہ وہ تمھارے بعد آنے والوں کے لیے ایک نشانی بنے: فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً (10: 52)۔

ساتویں صدی کے رُبع اوّل میں جب قرآن میں یہ آیت اُتری تو اِس واقعے پر دو ہزار سال سے زیادہ مدت گزر چکی تھی۔ اُس زمانے میں نہ پرنٹنگ پریس تھا اور نہ کمیونکیشن، اور نہ معلوم تاریخ میں اِس کا کوئی ریکارڈ موجود تھا۔ چناں چہ تمام لوگ اِس واقعے کو بھول چکے تھے۔ اُس زمانے میں کوئی بھی شخص نہ اِس واقعے کو جانتا تھا اور نہ اُس کو یہ خبر تھی کہ کبھی فرعون کا جسم ظاہر ہو کر قرآن کی اِس آیت کی تصدیق کرنے والا ہے۔ اِس آیت کے نزول کے ہزار سال بعد انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں سائنس نے ایسے طریقے دریافت کیے، جن کے ذریعے قدیم اَجسام کی تاریخ ٹھیک ٹھیک طور پر معلوم کی جاسکے۔ مزید یہ کہ سائنس کی ترقی نے لوگوں کے اندر بہت بڑے پیمانے پر تجسس کا ذہن پیدا کیا۔ لوگ ہر میدان میں نئی نئی چیزیں دریافت کرنے کے لیے عالمی سطح پر سرگرم ہو گئے۔

اِسی دوران مغربی یورپ کے کچھ اسکالر مصر پہنچے۔ انھوں نے قاہرہ کے قریب واقع اَہرام کی

تحقیق شروع کی۔ طویل کوشش کے بعد انھوں نے دریافت کیا کہ اہرام کے اندر مصر کے قدیم بادشاہوں کے مردہ اجسام مومیائی حالت میں موجود ہیں۔ چناں چہ خصوصی اہتمام کے ساتھ ان اجسام کو نکالا گیا۔ اِس کے بعد ان اجسام کی جانچ شروع ہوئی۔ سائنس کے جدید طریقوں کے مطابق، ان کی عمر کا تعیّن کیا گیا۔ اِس تحقیق کے دوران حیرت انگیز طور پر معلوم ہوا کہ مصر کے قدیم بادشاہ فرعون کی لاش ایک اہرام میں موجود تھی۔ سائنسی ٹکنیک کے ذریعے جب اس کی عمر کا پتہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت موسیٰ کا ہم زمانہ شاہِ مصر فرعون کا جسم ہے، جس کی بابت قرآن میں 14 سو سال پہلے اعلان کیا گیا تھا کہ وہ محفوظ حالت میں موجود ہے، اور مستقبل میں وہ انسان کے علم میں آجائے گا۔

اِس حقیقت کا علم اِس سے پہلے کسی بھی انسان کو حاصل نہ تھا۔ قرآن میں اِس کا صراحتاً ذکر ہونا، اِس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن اُس خدا کی کتاب ہے جو ساری باتوں کو جانتا ہے (عالم الغیب والشهادة)۔ اس نے اپنے علم کے تحت قرآن میں یہ آیت اُتاری۔ اِس واقعے میں واضح طور پر جدید سائنس، قرآن کے کتابِ الٰہی ہونے کی تصدیق بن گئی۔

فرانس کے ڈاکٹر موریس بکائی (وفات: 1998) نے 1975 میں اپنے ساتھیوں کے ہم راہ مصر کا سفر کیا، اور قاہرہ کے میوزیم میں جا کر وہاں براہِ راست طور پر اِس محفوظ جسم کا مشاہدہ کیا۔ اِس واقعے پر پوری طرح مطمئن ہونے کے بعد انھوں نے اپنی کتاب میں نہایت حیرت کے ساتھ یہ الفاظ درج کیے ہیں — وہ لوگ جو مقدس کتابوں کی سچائی کے لیے جدید ثبوت چاہتے ہیں، وہ قاہرہ کے مصری میوزیم میں شاہی ممیوں (Mummies) کے کمرے کو دیکھیں۔ وہاں وہ قرآن کی اُن آیتوں کی شان دار تصدیق پالیں گے جو کہ فرعون کے جسم سے بحث کرتی ہیں:

> Those who seek among modern data for proof of the veracity of the Holy Scriptures, will find a magnificent illustration of verses of the Quran dealing with the Pharaoh's body by visiting the *Royal Mummies Room of the Egyptian Museum, Cairo!*

5- دین کے عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدہ رسالت کا عقیدہ ہے، یعنی یہ عقیدہ کہ انسان کی

رہنمائی کے لیے خدا کی طرف سے ہر زمانے میں پیغمبر آئے۔ اِس سلسلے کے آخری پیغمبر محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ رسالت کے عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کے رہنما اصول خود اپنی عقل سے دریافت نہیں کرسکتا۔ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اِس معاملے میں خدا کے پیغمبروں پر یقین کرے اور اُن سے اپنے لیے رہنمائی حاصل کرے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف خدا کے آخری پیغمبر ہیں، بلکہ آپ پر جو خدا کی ہدایت آئی، وہ اپنی کامل شکل میں اور اپنی اصل حالت میں پوری طرح محفوظ ہے۔ پیغمبر اسلام پر جو پہلی وحی اتری تھی، وہ سورہ العلق کی صورت میں قرآن میں موجود ہے۔ اِس ابتدائی وحی میں اللہ تعالیٰ نے کہا تھا کہ: اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (96:3-5) یعنی پڑھ، اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے۔ انسان کو اُس چیز کا علم دیا جس کا علم اُس کو نہ تھا۔

اِس آیت میں گویا کہ اِس بات کا اعلان ہے کہ انسان خود سے اپنی رہنمائی وضع نہیں کرسکتا۔ دنیوی زندگی کے شعبے مثلاً زراعت، باغ بانی اور انجینئرنگ، وغیرہ کے معاملے میں وہ اپنے تجربات کے ذریعے کچھ علم حاصل کرسکتا ہے، جو انسان کی موجودہ زندگی کی ضرورتوں سے متعلق ہیں۔ لیکن انسان کی ابدی رہنمائی کے لیے جو برتر علم درکار ہے، اُس کو انسان خود سے حاصل نہیں کرسکتا۔ زندگی کے اِس برتر شعبے میں اُس کے لئے پیغمبرانہ رہنمائی سے مدد لینا ضروری ہے۔

قدیم زمانے میں جو بڑے بڑے فلسفی پیدا ہوئے، اُن سب کا موضوع یہی تھا کہ انسانی زندگی کے لیے رہنمایانہ اصول دریافت کیے جائیں، لیکن کئی ہزار سال تک بڑے بڑے دماغوں کی کوششوں کے باوجود فلسفہ اِس قسم کی کسی رہنمائی کو دریافت نہ کرسکا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فلسفیانہ کاوشوں نے انسان کو جو چیز دی، وہ صرف کنفیوژن (confusion) تھا، نہ کہ کوئی یقینی رہنمائی۔

کارل مارکس (وفات: 1883) نے فلسفے کی ناکامی پر ایک کتاب لکھی جس کا نام یہ تھا— فلسفے کا افلاس (*Poverty of Philosophy*)۔ یہ کتاب کارل مارکس نے اپنے مخصوص نقطۂ نظر کے اعتبار سے لکھی تھی، لیکن عمومی اعتبار سے بھی یہ درست ہے کہ فلسفیانہ غور وفکر، جو تمام تر عقل کی بنیاد

پر ہوتا ہے، وہ انسان کو رہنمائی کے ابدی اصول دینے کے معاملے میں پوری طرح ناکام ہے۔ فلسفیانہ شعبے کی یہی ناکامی تھی جس کی بنا پر ایسا ہوا کہ موجودہ سائنس کے ظہور کے بعد فلسفے کا دَور ختم ہوگیا۔ اب فلسفے کی حیثیت زیادہ تر ایک تاریخی شعبے کی ہے، نہ کہ زندہ شعبۂ علم کی۔

یہی معاملہ باطنیّت (mysticism) کے ساتھ پیش آیا۔ باطنی نقطۂ نظر کے حاملین کا خیال تھا کہ وہ باطنیّت کے تجربے کے ذریعے سچائی کو دریافت کر سکتے ہیں، مگر ایسا نہ ہوسکا۔

باطنیت کیا ہے، اس کی تعریف اِس طرح کی جاتی ہے:

Mysticism: The doctrine that it is possible to attain the higher truth through contemplation and love without the medium of human reason, or without any other external source.

مسٹی سزم کی تاریخ کئی ہزار سال تک پھیلی ہوئی ہے۔ بے شمار لوگوں نے مسٹی سزم کے ذریعے سچائی کو پانا چاہا، لیکن لمبے تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ مسٹی سزم کے ذریعے آخری چیز جو انسان کو ملتی ہے، وہ صرف ایک ہے اور وہ وَجد (ecstasy) ہے۔ مگر سچائی کے معاملے میں وَجد کی کوئی حقیقت نہیں۔ انسان کے وجود میں سب سے بڑی چیز شعور یا ذہن ہے۔ اِس لیے سچائی کو پانے والا وہی شخص ہے جو ذہن یا شعور کی سطح پر سچائی کو پائے، نہ کہ وجد کی سطح پر۔ وجد دراصل بے شعوری کی ایک حالت ہے جس کو بے خودی کے خوب صورت لفظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ سچائی دراصل شعور کی سطح پر حقیقتِ اعلیٰ کی دریافت کا نام ہے۔

شعور کی سطح پر حقیقتِ اعلیٰ کی دریافت کی ایک مادّی مثال بجلی کے بلب اور پاور ہاؤس میں ملتی ہے۔ بلب ابتدائی حالت میں ایک بے نور شے ہے۔ اس کے اندر نہ خود روشنی ہے اور نہ وہ دوسروں کو روشنی دینے کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن جب پاور ہاؤس سے اس کا کنکشن قائم ہوجاتا ہے تو اچانک وہ ایک روشن وجود بن جاتا ہے۔ اب وہ خود بھی روشن ہوتا ہے اور دوسروں کو روشنی دینے کی صلاحیت کا مالک بن جاتا ہے۔ سچائی کو پانے کا معیار کیا ہے، وہ اِس مادّی واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔ سچائی کو پانا شعوری معنوں میں ایک روشنی کو پانا ہے۔ مسٹی سزم اِس معیار پر پورا نہیں اترتا۔ مسٹی سزم سے آدمی کو جو چیز ملتی ہے، وہ صرف بے شعوری ہے، نہ کہ شعور۔ اور انسان جیسی باشعور ہستی کے لیے بے شعوری کبھی

حقیقتِ اعلیٰ کی دریافت کے ہم معنی نہیں بن سکتی۔ اِس معاملے میں آخری چیز جس کا نام لیا جاسکتا ہے، وہ سائنس ہے۔ جدید سائنس نے بلاشبہہ انسان کو بہت سی چیزیں دی ہیں۔ مثلاً ٹیلی کمیونکیشن اور کنزیومر گڈس (consumer goods)، وغیرہ۔ مگر جہاں تک سچائی کا معاملہ ہے، سائنس نے خود ہی یہ اعلان کردیا ہے کہ سچائی کی دریافت اس کا میدانِ عمل نہیں۔

ایک مغربی اسکالر نے درست طور پر لکھا ہے کہ علم کا میدان بہت وسیع ہے۔ علم کی دو قسمیں ہیں۔ چیزوں کا علم (knowledge of things)، اور سچائی کا علم (knowledge of truth)۔ اہلِ علم کے درمیان بلا اختلاف یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ سائنس کا دائرہ صرف چیزوں کے علم تک محدود ہے۔ سچائی کا علم سائنس کے دائرے سے مکمل طور پر باہر ہے۔ ایسی حالت میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سائنس اِس مقابلے میں بطور امیدوار بھی شامل نہیں۔

انسان کا مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کا راستہ متعین کرنے کے لیے گہرے علم کی ضرورت ہے۔ اِس ضرورت کو ڈاکٹر الیکسس کیرل نے اپنی کتاب انسانِ نامعلوم (*Man the Unknown*) میں بخوبی طور پر واضح کیا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انسان خود اپنی کوششوں سے اِس ناگزیر علم کو دریافت نہیں کرسکتا۔ ایک طرف، علم کا ناگزیر ہونا اور دوسری طرف، انسان کا اس ناگزیر علم کو دریافت کرنے کے لیے نااہل ہونا، بتاتا ہے کہ اِس معاملے میں انسان کو ایک خارجی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اِس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے پیغمبر کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہہ پیغمبر ہی وہ انسان ہے جو خدا کے نمائندے کی حیثیت سے ہمارا حقیقی رہنما ہے۔ (25 دسمبر 2007)

الرسالہ مشن کے ذریعے آپ کی زندگی میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے، ہم آپ کی زبان میں اس کو مرتب کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اِس سلسلے میں اپنے تجربات اور واقعات اردو یا انگریزی میں، نام اور پتے کی مکمل تفصیل کے ساتھ، واضح اور متعین انداز میں لکھ کر حسب ذیل پتے پر روانہ فرمائیں:

Al-Risala
I, Nizamuddin West Market, New Delhi-110 013
Tel. 011-41827083, 46521511, E-mail: znadwi@yahoo.com

امید کی طاقت

ارنسٹ شیکلٹن (Ernest Shackleton) ایک برٹش مہم جو تھا۔ اُس نے قطب جنوبی (Antarctica) کی دریافت کو اپنا مشن بنایا۔ وہ تین خطرناک مہم (expeditions) کا قائد تھا۔ آخری مہم جس میں 28 آدمی شریک تھے، ایک خطرناک حادثے کا شکار ہوگئی۔

اُن کا جہاز سمندر میں کسی چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ اِس کے بعد شیکلٹن اور ان کے ساتھیوں کو ایک ایسے مقام پر رہنا پڑا جہاں صرف برف کے تودے تھے، وہاں اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ یہ ایک ہولناک تجربہ تھا جس کی تفصیل حسب ذیل کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے:

Endurance: Shackleton's Incredible Voyage (1959) by Alfred Dansing.

شیکلٹن اور اس کے ساتھی 150 دن تک خالص برف کی دنیا میں رہنے کے بعد محفوظ حالت میں اپنے وطن واپس آگئے۔ یہ ''معجزہ'' کیسے ہوا۔ مصنف کے الفاظ میں، اُس کا راز صرف ایک تھا— پارٹی کے اندر یہ امید کہ ان کو جو صورتِ حال پیش آرہی ہے، وہ صرف عارضی ہے:

Underlying the optimism of the party was the confidence that their situation was only temporary.

کامیابی کا یہ فارمولا ایک عمومی فارمولا ہے۔ جب بھی آپ کو کوئی مصیبت پیش آئے تو آپ صرف یہ کیجئے کہ اپنے ذہن کو یہ بتایئے کہ یہ مصیبت مستقل نہیں ہے، یہ صرف وقتی اور عارضی ہے (It is all but temporary)۔ اِس کے بعد ہر مصیبت آپ کے لیے آسان ہوجائے گی۔ سفر ایک ایسا تجربہ ہے جو ہر ایک کو پیش آتا ہے۔

سفر میں کسی کو بھی گھر والی راحت نہیں ملتی، مگر ہر مسافر مطمئن رہتا ہے، کیوں کہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ ایک عارضی مدت کے بعد وہ بہر حال اپنے گھر پہنچ جائے گا۔ یہی معاملہ پوری زندگی کا ہے۔ اپنی زندگی پر اِس فارمولے کو منطبق کیجئے اور پھر کبھی آپ مایوسی کا شکار نہ ہوں گے۔

کشمیر میں نئی سوچ کی ضرورت

بی بی سی لندن (اردو) کے ویب سائٹ پر 18 دسمبر 2012 کی اشاعت کے تحت ایک رپورٹ آئی ہے۔ یہ رپورٹ جموں وکشمیر کی تحریک کے بارے میں ہے۔ اس کا عنوان ہے— ''عسکری تحریک سے پُرامن جدوجہد تک''۔ اس رپورٹ کا متعلق حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

''بھارت کے زیرِ انتظام کشمیر میں مسلح تحریک کا آغاز کرنے والی تنظیم جموں کشمیر لبریشن فرنٹ (JKLF) نے اپنے آئین میں تبدیلی کر کے عسکریت پسندی کو اپنے عزائم سے نکال دیا ہے۔ گذشتہ بیس سال سے زائد عرصے سے جاری بھارت مخالف تحریک کے پس منظر میں اس کو جے کے ایل ایف کی طرف سے ایک بڑی تبدیلی کا اشارہ سمجھا جا رہا ہے۔ تنظیم کے پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر اور گلگت بلتستان کے لیے صدر ڈاکٹر توقیر گیلانی کا کہنا ہے کہ جے کے ایل ایف ایک عسکری تحریک تھی۔ اس سے اس نے خود کو ایک پرامن سیاسی تحریک میں بدلا۔ تو اس حوالے سے آئین میں یہ تبدیلی کی گئی کہ جے کے ایل ایف کے مونوگرام میں بندوق کی علامت ختم کر دی گئی اور اس کی جگہ ٹہنی کی علامت شامل کر دی گئی ہے۔ ڈاکٹر گیلانی نے کہا کہ اس علامت کو بدلنے کا مقصد یہ تاثر دینا تھا کہ کشمیری پرامن حل کی طرف جانا چاہ رہے ہیں اور اس کے لیے وہ پہلا قدم اٹھا رہے ہیں، تاکہ بھارت، پاکستان اور بین الاقوامی برادری کو یہ باور کرایا جائے کہ پرامن ذرائع سے مسئلہ کشمیر کا حل نکالیں۔ جے کے ایل ایف کا کہنا ہے کہ تشدد کے ذریعے مقاصد کا حصول اب دنیا کے لیے قابل قبول نہیں رہا اور اقوام عالم کا مسلسل یہ دباؤ رہا کہ بندوق چھوڑ کر پرامن ذرائع اپنائے جائیں۔ وادی کشمیر سے تعلق رکھنے والے جے کے ایل ایف کے اہم رہنما اور سابق چیف کمانڈر محمد رفیق ڈار کہتے ہیں کہ مغرب خاص طور پر امریکہ اور برطانیہ اور مشرق وسطی کے کچھ طاقتور ممالک جو مسئلہ کشمیر میں دلچسپی رکھتے تھے اور جن کا پاکستان اور بھارت سے تعلق ہے، ان کی مسلسل کوشش تھی اور اس کے علاوہ ہندوستان کے اندر ایک دانشور طبقہ، جو انسانی حقوق کا بڑا چیمپیئن ہے، اس کی بھی یہ کوشش تھی کہ امن اور پرامن ذرائع کو ایک موقع دیا جائے۔ خیال رہے کہ آزاد کشمیر کی حامی تنظیم جے کے ایل ایف پہلی تنظیم ہے جس نے 31 جولائی 1988 کو وادی کشمیر میں چار بم دھماکے کر کے ہندستان کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا...'' (www.bbc.co.uk/urdu/india)

جموں وکشمیر کی تحریک 1947 کے بعد شروع ہوئی۔ ابتدا میں وہ پرامن انداز میں چلائی جارہی تھی۔ کشمیری لیڈر پرامن ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے نہایت زور وشور کے ساتھ اس کو چلاتے رہے۔ 40 سال سے زیادہ مدت تک اِس ''پرامن'' تحریک کو ناکام طور پر جاری رکھنے کے بعد کشمیر میں نئی لیڈرشپ ابھری۔ انھوں نے دوسرا آپشن لیا۔ نئی لیڈرشپ نے 1988 سے کشمیر کی تحریک کو تشدد کی بنیاد پر چلانا شروع کردیا، لیکن کشمیر کا یہ دوسرا دور بھی اپنے نتیجے کے اعتبار سے، مکمل طور پر ناکام رہا۔ بے حساب جانی اور مالی نقصان کے باوجود اِس دوسرے دور میں بھی یہ ہوا کہ کشمیری اپنے مطلوب مقصد کو حاصل کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہے، جب کہ اِس پرتشدد جدوجہد میں پاکستان پوری طرح ان کا مددگار بن گیا تھا۔

کشمیر کی یہ تاریخ بتاتی ہے کہ کشمیری لیڈر دونوں میدانوں میں مکمل طور پر شکست کھا چکے ہیں، پرامن میدان میں بھی اور عسکریت کے میدان میں بھی۔ اب اصل مسئلہ کسی تیسرے آپشن کی تلاش کا ہے، نہ کہ ناکام عسکری طریق کار سے، ناکام پرامن طریقِ کار کی طرف دوبارہ لوٹنے کا۔ کشمیری لیڈروں کی مذکورہ ''تبدیلی'' خوب صورت الفاظ میں صرف ہلاکت کی توسیع ہے، اِس کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ نام نہاد تبدیلی صرف یہ ثابت کرتی ہے کہ کشمیری لیڈر جس طرح پہلے دانش مندانہ سوچ سے محروم تھے، اُسی طرح اب بھی وہ دانش مندانہ سوچ سے محروم ہیں۔

کشمیریوں کے لیے تیسرا قابل عمل آپشن کیا ہے، وہ صرف ایک ہے اور وہ ہے اسٹیٹس کوازم (statusquoism)، یعنی موجود صورتِ حال کو علی حالہ قبول کرلینا اور اپنی تمام کوششوں کو تعمیر وترقی کے کام میں لگا دینا۔ اب کشمیریوں کے لیے جو دانش مندانہ راستہ ہے، وہ صرف یہی ہے۔ یہ تیسرا ممکن راستہ ایک لفظ میں — پرامن تعمیر ہے، نہ کہ صورتِ حال کو بدلنے کے نام پر مفروضہ قسم کی پرامن جدوجہد، جو کہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے، نہ پرامن ہے اور نہ جدوجہد۔

کشمیریوں کے لیے نیا آغاز صرف یہ ہے کہ وہ اپنے ماضی کی غلطی کا کھلا اعتراف کریں اور نئے ذہن کے ساتھ حقیقت پسندانہ انداز میں اپنی زندگی کی تعمیر کا منصوبہ بنائیں۔

بابری مسجد: ایک پیغام

ایک شخص کا قول ہے کہ زندگی میں کوئی موقع (chance) صرف تین بار آتا ہے، چوتھی بار نہیں — بابری مسجد کے مسئلے پر یہ قول پوری طرح صادق آتا ہے۔ بابری مسجد کے معاملے میں مسلمان تین موقع کھو چکے ہیں، اب چوتھا موقع اُنھیں ملنے والا نہیں۔

بابری مسجد کو بے مسئلہ مسجد بنانے کا پہلا موقع وہ تھا جب کہ بابر کے گورنر میر باقی نے 1528 عیسوی میں ایودھیا میں مسجد کی تعمیر کرائی۔ اُس مقام پر بابری مسجد سے پہلے ہندوؤں کا ایک مقدس اسٹرکچر تھا، جس کو وہ رام چبوترہ یا رام مندر کہتے تھے۔ میر باقی نے یہ کیا کہ رام چبوترہ کو مسجد کے صحن سے ملا کر مسجد کی تعمیر کروائی۔ یہ اِس معاملے میں پہلے موقع کو کھونا تھا، کیوں کہ خلیفہ عمر فاروق کے مقرر کردہ ایک اصول کے مطابق، دو عبادت خانوں کو 'رمیۃ حجر' (stone's throw) کی دوری پر ہونا چاہیے، لیکن میر باقی نے اِس اصول پر عمل نہ کر کے اول دن سے بابری مسجد کو ایک نزاعی مسجد بنا دیا۔

اِس معاملے میں دوسرا موقع وہ تھا جب کہ 1949 میں کچھ ہندوؤں نے بابری مسجد کے اندر تین بت رکھ دئے۔ اُس وقت مسلمانوں پر لازم تھا کہ وہ اِس معاملے کو عدالت تک محدود رکھیں، لیکن مسلم لیڈر اِس مسئلے کو سڑکوں پر لے آئے۔ اِس طرح مسلم لیڈروں نے دوسرے موقع کو کھو دیا، کیوں کہ سڑک پر آنے کے بعد مسئلہ صرف مزید پیچیدہ ہو جاتا ہے، وہ کبھی حل نہیں ہوتا۔

تیسرا موقع وہ تھا جب کہ 1991 میں اُس وقت کی یوپی گورنمنٹ نے یہ پیش کش کی کہ مسلمان اگر مسجد کو ری لوکیٹ (re-locate) کرنے پر راضی ہوں تو وہ مسجد کے لیے مسلمانوں کی پسند کے مطابق، ایک متبادل جگہ اُن کو دینے کے لیے تیار ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اِس پیش کش کو رد کر کے اس تیسرے موقع کو بھی کھو دیا۔

اِس کے بعد 6 دسمبر 1992 کو مسجد ڈھا دی گئی۔ اب بابری مسجد کی تعمیر ثانی کی تحریک چلانا گویا چوتھے موقع کو تلاش کرنا ہے جو کہ سرے سے ملنے والا ہی نہیں۔ (6 دسمبر 2012)

سوال و جواب

سوال

آپ نے ''دابہ'' سے متعلق مختلف رائیں دی ہیں۔ مثلاً تذکیر القرآن میں دابہ سے آپ نے ''غیر انسانی مخلوق'' مراد لیا ہے۔ الرسالہ جون 2007 کے شمارہ میں آپ نے دابہ سے ملٹی میڈیا مراد لیا ہے۔ الرسالہ مئی 2010 میں آپ نے دابہ سے ''ایک انسان'' مراد لیا ہے۔ الرسالہ (جنوری 2013) میں آپ نے دابہ سے کشتی نوح مراد لیا ہے۔ براہِ کرم، اس سوال کی وضاحت فرمائیں۔ (محمد عبداللہ، کلکتہ)

جواب

دابہ کے بارے میں اِس سے پہلے میں نے جو کچھ لکھا، وہ بھی قیاس پر مبنی تھا اور الرسالہ جنوری 2013 میں جو بات آپ نے پڑھی، وہ بھی قیاس پر مبنی ہے۔ تاہم الرسالہ جنوری 2013 میں دابہ کے متعلق جو رائے میں نے دی ہے، وہی میرا آخری قیاس ہے۔ پہلے قیاس کو اب میں اپنے فکری سفر کا ایک تاریخی حصہ سمجھتا ہوں۔ اِس طرح کا معاملہ صرف میرے ساتھ خاص نہیں، اہلِ علم کے ساتھ ہمیشہ اِس طرح کا معاملہ پیش آتا رہا ہے۔

سوال

میں 1981 سے الرسالہ کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ الحمد للہ اِس دوران میں نے خود بھی الرسالہ سے ذاتی طور پر فائدہ اٹھایا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کی جانب متوجہ کیا ہے۔ ایک چھوٹی سی لائبریری قائم کر کے الرسالہ مشن کا لٹریچر منگوا کر پڑھے لکھے لوگوں کو مطالعہ کے لئے فراہم کرتا ہوں۔ الرسالہ کے مطالعہ سے میں نے جو باتیں سیکھی ہیں، وہ مختصر طور پر درج ذیل ہیں۔

(1) مثبت سوچ اور مثبت پہلو کامیابی کا راز ہے اور منفی سوچ اور منفی طرز عمل ہلاکت و بربادی کا راستہ ہے۔ (2) انسان کو حقیقت پسند ہونا چاہئے۔ حقیقت پسندی زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کرتی ہے۔ (3) انسان کو امن پسند ہونا چاہئے۔ (4) آپ نے نئی نسل کی تربیت کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ اِس پُرفتن دور میں مثبت سوچ رکھنے والے لوگوں کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ (5) آپ نے موجودہ دور میں مایوسی کے شکار نوجوانوں کو زندگی کا جو مثبت پیغام دیا ہے، وہ بہت قیمتی ہے۔ اگر آج کل کے نوجوان آپ کی اِن تحریروں کی رہنمائی میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ کامیابی انھیں حاصل نہ ہو۔ (6) آپ نے خاص طور پر خواتین کو سادگی اور قناعت پسندی اختیار کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے، یہ وقت کی ضرورت ہے۔

فیشن پرستی اور صارفیت (consumerism) کے سیلاب میں بہنے والی خواتین اگر اِن باتوں کی طرف متوجہ ہوں تو سماج سے فتنہ وفساد کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ (نثار اختر، ابوالکلام آزاد لائبریری، دربھنگہ، بہار)

جواب

ماہ نامہ الرسالہ کے بارے میں آپ کا تاثر قابلِ قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقی عطا فرمائے۔ میرے تجربے کے مطابق، الرسالہ کے قاری (readers) تین قسم کے ہیں:

1۔ ایک قسم اُن لوگوں کی ہے جو الرسالہ کو صرف ادب یا معلومات کے لیے پڑھتے ہیں۔ اُن کو الرسالہ میں ایک ادبی چاشنی ملتی ہے یا الرسالہ سے اُن کو نئی نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں، اِس لیے وہ دلچسپی کے ساتھ الرسالہ کو پڑھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو الرسالہ کو محض انٹرسٹ ریڈنگ (interest reading) کے ایک آئٹم کے طور پر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ نہ الرسالہ کو جانتے ہیں اور نہ خود اپنے آپ کو، حتی کہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ بحیثیت انسان ان کے بارے میں اللہ کا تخلیقی منصوبہ کیا ہے۔ ایسے لوگ ہمارے نزدیک، الرسالہ کے قاری نہیں ہیں۔ اُن کو الرسالہ سے وقتی تفریح کے سوا کچھ اور ملنے والا نہیں۔

2۔ الرسالہ کے قاریوں کی دوسری قسم وہ ہے جو الرسالہ سے وہ چیز لیتے ہیں جس کو ''رازِ حیات'' کہا جاسکتا ہے، یعنی دنیا میں زندگی گزارنے کا تعمیری طریقہ۔ ایسے لوگ الرسالہ کے قاری ہیں، مگر وہ اس کے قاری نہیں، یعنی انھوں نے الرسالہ سے صرف اس کا قِشر پایا، مگر انھوں نے الرسالہ کا مغز نہیں پایا۔ انھوں نے بطور خود جو عملی زندگی اختیار کر رکھی ہے، اُس کے حق میں انھیں الرسالہ میں کچھ مفید مواد مل جاتا ہے، اِسی کو وہ کافی سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ الرسالہ کے صرف جزئی قاری ہیں، وہ حقیقی معنوں میں الرسالہ کے قاری نہیں۔ ایسے کو الرسالہ کا قدرداں کہا جاسکتا ہے، لیکن ان کو الرسالہ شناس نہیں کہا جاسکتا۔

3۔ الرسالہ کا حقیقی قاری وہ ہے جو خالی الذہن (empty mind) ہوکر الرسالہ کو پڑھے، جو الرسالہ میں خدائی حکمت (divine wisdom) کو دریافت کرسکے۔ اِسی خدائی حکمت کا دوسرا نام معرفت یا ربانیت ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے الرسالہ ذہنی ارتقا اور روحانی بلندی کا ذریعہ بن جائے گا، وہ الرسالہ میں وہ چیز پانے لگیں گے جس کو قرآن میں، رزقِ رب (20:131) کہا گیا ہے، الرسالہ اُن کے لیے اُن کی فطرت کی تلاش کا جواب بن جائے گا، وہ الرسالہ کے مضامین میں انسان کی ابدی سعادت کا راز دریافت کرلیں گے — میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو الرسالہ کا حقیقی قاری بنائے۔

خبر نامہ اسلامی مرکز—220

1- نئی دہلی کے انڈیا ہیبی ٹیٹ سنٹر میں 2 اکتوبر 2012 کو وینو آئی سنٹر (Venu Eye Centre) کی طرف سے آنکھوں کی صحت کے موضوع پر ایک آل انڈیا پروگرام ہوا۔ یہاں طلبا کے علاوہ، آنکھ کے مشہور ماہرین موجود تھے۔ سی پی ایس کی دعوہ فیلڈ ٹیم (DFT) کے کچھ ممبران نے اس میں شرکت کی اور حاضرین کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا۔ واضح ہو کہ انڈیا اور انڈیا سے باہر کے تمام ممبران دعوتی میٹریل بطور خود خرید کر لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

2- فرینکفرٹ (جرمنی) میں 14-10 اکتوبر 2012 کے دوران ایک انٹرنیشنل بک فیر ہوا۔ گڈ ورڈ بکس (نئی دہلی) نے اس میں شرکت کی۔ دوسری کتابوں کے علاوہ، جرمن زبان میں بھی اس موقع پر دو کتابیں تیار کی گئی تھیں — اسلام کیا ہے (*Was Bedeutet Islam*) اور قرآن کا پاکٹ سائز ترجمہ (*Der Koran*)۔ اس ترجمے میں صدر اسلامی مرکز کا انٹروڈکشن شامل تھا۔ لوگوں نے اس کو شوق سے لیا اور اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ چند تاثرات حسب ذیل ہیں:

"I lived in Dubai for 15 years, but I never saw Quran there."

"I was impressed by the peaceful meaning of Jihad in the Introduction of the Quran. It is better to read this original sources, rather than knowing from the media".

3- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف امریکا میں ایک متنازع فلم بنی جس کے بعد برمنگھم کے مسلمانوں نے ایک میٹنگ کی۔ اس میٹنگ میں مقامی مسلمانوں نے یہ طے کیا کہ وہ متنازع فلم "انوسنس آف مسلمس" کے خلاف احتجاج کریں گے۔ شمشاد محمد خان صاحب (IPCI) نے کہا کہ احتجاج کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر کچھ کرنا ہے تو آپ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیمات پر مشتمل ایک پمفلٹ تیار کر کے اُس کو لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ مقامی لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ چناں چہ برطانیہ میں 5 لاکھ پمفلٹس تقسیم کئے گئے۔ برطانیہ کے مقامی لوگوں نے اس کو شوق سے لیا اور اس طریقے کو بہت زیادہ پسند کیا گیا۔

4- سہارن پور (یوپی) میں 13 اکتوبر 2012 کو کئی پروگرام ہوئے — ویدمندر میں آریہ ست سنگ کا پروگرام، جس میں بڑی تعداد میں مقامی اور غیر مقامی ہندو سوامی اور تعلیم یافتہ حضرات نے شرکت کی۔ ہوٹل ''ساگر'' میں شادی کی تقریب، سرسید کا یوم پیدائش۔ ان تمام موقعوں پر لوگوں کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔ نیز سہیل جویلرس کے شوروم میں قرآن اور دعوتی میٹریل رکھا گیا، تاکہ وہ شوروم میں آنے والے لوگوں کو دیا جا سکے۔ اسی طرح حلیمہ اسکول اور ڈفنس کالونی میں سہارن پور کے ساتھیوں کی طرف سے قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی بروشر دئے گئے۔

5- نیشنل میڈیکل کالج (سہارن پور) کی طرف سے روزنامہ راشٹریہ سہارا، اردو میں 17 اکتوبر 2012 کو کالج کی سرگرمیوں پر مشتمل اخبار کے ایک پورے صفحہ (12) پر مشتمل اشتہار دیا گیا۔ اشتہار کے آخر میں کالج کے انتظامیہ کی طرف سے ایک نوٹ حسب ذیل الفاظ میں شامل کیا گیا تھا— 25 اکتوبر 2012 تک دعوتی کام کرنے

والے حضرات کالج سے اردو، ہندی اور انگریزی ترجمہ قرآن مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

6- سہارن پور کے جے وی جین ڈگری کالج میں 21 اکتوبر 2012 کو نورا تری کے موقع پر ہندی روزنامہ ''دینک جاگرن'' کی طرف سے ایک بڑا پروگرام کیا گیا۔ اس پروگرام میں تقریباً 5 ہزار لوگوں نے شرکت کی۔ اس پروگرام میں مقامی لوگوں کے علاوہ، اطرف کے بڑے سیاسی اور مذہبی رہنما موجود تھے۔ سہارن پور کے ساتھیوں نے یہاں لوگوں کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی بروشر دئے۔ لوگوں نے اس کو شوق سے لیا۔

7- نیشنل بک ٹرسٹ (NBT) کی طرف سے 21-17 اکتوبر 2012 کو علی گڑھ میں ایک بک فیر ہوا۔ یہاں گڈورڈ بکس (نئی دہلی) نے اپنا اسٹال لگایا۔ اِس موقع پر لوگوں کی طرف سے قرآن کے ترجمے (اردو، انگریزی) کی اتنے بڑے پیمانے پر ڈمانڈ تھی کہ دہلی سے دوبارہ علی گڑھ بک اسٹال پر اس کو بھجوایا گیا۔

8- Hyderbad hosted one International convention on Biodiversity (CBD) that was marked by the visit of prime minister Manmohan Singh and several other scholars, academician from world over. This convention was held from 1st till 19th Oct, 2012 and is known as 11th Conference of Parties Convention on Biological Diversity. Hyderabad dawah team took this as an opportunity to reach out to people for Dawah work. We prepared one page document to be distributed in the Fair with the help of internet and Maulana's Book. We went into the Exhibition Hall and distributed it along with. The reality of Life, The Creation Plan of God, The Quran. They welcomed us warmly. (Hyderabad Dawah team)

9- Maulana Wahiduddin Khan participated in the World Economic Forum on India 2012, held in Gurgaon, from 6 to 8 November. He shared his views on'The New Collaborative Space: Future Scenarios for Civil Society, Business and Government Engagement in India'.The Centre for Peace and Spirituality International team distributed Quran and Maulana's book, The Prophet of Peace, to the delegates.

10- On November 18, 2012, CPS International members distributed Quran at a book launch in IIC, New Delhi. They gave Quran to personalities such as the Chief Minister of Delhi, Sheila Dikshit, the American Ambassador to India, Nancy Jo Powell, the president of the India International Centre, Soli J. Sorabjee, Member of Parliament N. K. Singh, president of the Indian Liberal Group, Meera Sanyal, Isher Judge Ahluwalia, and economist Jagdish Natwarlal Bhagwati.

11- منسٹری آف ہیومن رسورسیز (نئی دہلی) کی ایک ٹیم نے 26 اکتوبر 2012 کو نیشنل میڈیکل (سہارن پور) کا دورہ کیا۔ اِس موقع پر منسٹری کے لوگوں کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی پمفلٹس دئے گئے۔ مسٹر پوکھریال نے کہا کہ

مولانا وحید الدین خاں کا لٹریچر دیش میں سچ مچ شانتی پھیلا رہا ہے۔ انھوں نے شکریہ کے ساتھ لٹریچر کا تحفہ قبول کیا۔

12۔ پنجاب یونی ورسٹی (بھٹنڈا) میں 27 اکتوبر سے 4 نومبر 2012 کے درمیان ایک بک فیسٹ (Book Fest) ہوا۔ اِس میں سی پی ایس دعوہ فیلڈ ٹیم (DFT) کے ممبر مسٹر جنید الاسلام نے دعوتی لٹریچر پر مشتمل ایک بک اسٹال لگایا۔ یہاں سے بڑے پیمانے پر دعوتی کام ہوا اور لوگوں نے بہت شوق سے قرآن کا ترجمہ حاصل کیا۔

13۔ پیس ہال (سہارن پور) میں 28 اکتوبر 2012 کو اترا کھنڈ اور ہریانہ کے حلقہ الرسالہ کے قارئین کا ایک اجتماع ہوا۔ اِس اجتماع میں قارئین الرسالہ کے علاوہ، تعلیم یافتہ ہندو حضرات نے شرکت کی۔ مثلاً سوامی پریم و کرم، سوامی امر پال، وغیرہ۔ اِس موقع پر سوامی امر پال نے اپنے گہرے تاثرات کا اظہار کیا۔ انھوں نے ایک بات یہ کہی کہ اب میں نے آریہ سماج کا منچ چھوڑ دیا ہے۔ اب میں مولانا وحید الدین خاں کے لٹریچر کا ادّھین (مطالعہ) کر رہا ہوں۔ اِس کے علاوہ، آج ہوٹل رائل ریزیڈنسی میں نکاح کی ایک تقریب تھی۔ یہاں لوگوں کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی بروشر دیا گیا۔ خاص طور پر شادی شدہ جوڑے کو ''خاندانی زندگی'' اور ''عورت معمارِ انسانیت'' کا ایک ایک نسخہ دیا گیا۔

14۔ شارجہ (عرب امارات) میں 17-7 نومبر 2012 کو ایک انٹرنیشنل بک فیر ہوا۔ اس کے بعد 17-20 اکتوبر 2012 کو استانبول (ترکی) میں ایک انٹرنیشنل بک فیر ہوا۔ گڈورڈ بکس (نئی دہلی) نے اِن دونوں بک فیر میں شرکت کی۔ اِس دوران ایک ترک پبلشر سے تذکیر القرآن اور صدر اسلامی مرکز کی دوسری کتابوں کے ترکی ترجمہ اور اشاعت کی بات ہوئی۔ نیز ترکی کے بڑے ہوٹلوں میں قرآن کا انگریزی ترجمہ رکھوانے کا پروگرام طے کیا گیا۔

15۔ تھروونانتھن پورم (کیرلا) کے کناتکنو پیلیس کیمپس میں 30 اکتوبر سے 5 نومبر 2012 کے درمیان ایک بک فیر ہوا۔ اِس بک فیر میں گڈورڈ بکس (نئی دہلی) نے اپنا اسٹال لگایا۔ اسٹال کا انتظام مسٹر ممتاز نے سنبھالا۔

16۔ یکم نومبر 2012 کو پھلواری گارڈن (سہارن پور) میں ٹیم کی طرف سے لوگوں کو دعوتی میٹریل دیا گیا۔

17۔ لکھنؤ کے سینٹینیل کالج (قیصر باغ) میں 2 نومبر سے 11 نومبر 2012 کے درمیان ایک بک فیر ہوا۔ اِس میں گڈورڈ بکس (نئی دہلی) نے اپنا اسٹال لگایا۔ یہ اسٹال بہت کامیاب رہا۔ اسٹال کا انتظام مسٹر محمد فرقان نے سنبھالا۔

18۔ پونہ (مہاراشٹر) کے گنیش کلا کریڈا منچ میں 7 نومبر سے 11 نومبر 2012 کے درمیان ایک بک فیر ہوا۔ اس میں گڈورڈ بکس نے اپنا اسٹال لگایا۔ اسٹال کا انتظام مسٹر محمد فرقان نے سنبھالا۔

19۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں 12-11 نومبر 2012 کو کئی پروگرام ہوئے — شعبہ دینیات کی دعوت پر اقرا اکیڈمی، آزاد پبلک اسکول، نیز ابن سینا اکیڈمی کے پروگراموں میں سہارن پور ٹیم ممبران نے شرکت کی اور وہاں انٹریکشن کے دوران لوگوں کو دعوتی لٹریچر دیا۔ اِسی طرح ٹیم کے ممبران نے ڈاکٹر وسیم رانا کی دعوت پر بلند شہر کا سفر کیا۔ اِس موقع پر دوسرے پروگراموں کے علاوہ، ڈاکٹر رانا کے تحت چلائے جارہے انگلش میڈیم اسکول میں ایک پروگرام ہوا۔ اِس موقع پر مقامی حضرات اور طلبا کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

20- الٰہ آباد (یوپی) کے جی جی آئی سی گراؤنڈ (سول لائن) میں 23 نومبر سے 2 دسمبر 2012 کے درمیان ایک بک فیر ہوا- اس میں گڈورڈ بکس (نئی دہلی) نے اپنا اسٹال لگایا- یہاں قرآن کے ہندی اور انگریزی ترجمے کی اتنی زیادہ ڈمانڈ تھی کہ دہلی سے دوبارہ اس کو الٰہ آباد بھیجا گیا-

21- جے پور (راجستھان) کے امبیڈکر سرکل گراؤنڈ میں 24 نومبر سے 2 دسمبر 2012 کے درمیان ایک بک فیر ہوا- اِس میں دعوہ فیلڈ ٹیم (سی پی ایس) کے ممبران (مسٹر تمکین قریشی اور خضر اسلام) نے ذاتی انتظام کے تحت ایک بک اسٹال لگایا- کافی لوگوں نے بک اسٹال پر وزٹ کر کے یہاں سے دعوتی لٹریچر حاصل کیا-

22- آئی ایم اے ہال (سہارن پور) میں 27 نومبر 2012 کو سوامی وویکانند کے 150 ویں یوم پیدائش کے موضوع پر ایک پروگرام ہوا- اس کی دعوت پرٹیم کے ممبران نے پروگرام میں شرکت کی اور حاضرین کو دعوتی لٹریچر دیا-

23- جمشید پور (جھارکھنڈ) میں ٹیگور سوسائٹی کی طرف سے 23 نومبر سے 2 دسمبر 2012 کے درمیان ایک بک فیر ہوا- یہاں جمشید پور کی الرسالہ ٹیم کے ممبران نے ایک بک اسٹال لگایا- یہاں سے بڑے پیمانے پر لوگوں نے قرآن کا ترجمہ اور اسلامی لٹریچر حاصل کیا- زائرین کو اردو، ہندی اور انگریزی میں چھپے ہوئے دعوتی بروشر بطور گفٹ دیے گئے-

24- سی پی ایس انٹرنیشنل (نئی دہلی) کے ہال میں 2-1 دسمبر 2012 کو ایک اجتماع ہوا- یہ کشمیر دعوہ میٹ کا اجتماع تھا- اِس میں الرسالہ مشن سے وابستہ کشمیر کے 50 لوگوں نے شرکت کی- یہ کشمیر کے نمائندہ افراد کا ایک اجتماع تھا- اس اجتماع میں علما اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کے لوگ موجود تھے- یہ اجتماع دعوتی اور تربیتی موضوع پر تھا- اِس موقع پر صدر اسلامی مرکز کے 4 خطاب ہوئے- اِس خطاب کا ویڈیو سی پی ایس کے ویب سائٹ پر موجود ہے- اِس موقع پر کشمیری ٹیم کے متعدد لوگوں نے الرسالہ مشن سے متعلق اپنے تاثرات بیان کیے- یہاں اِس سلسلے کے چند تاثرات نقل کیے جاتے ہیں:

- آپ سب الرسالہ مشن کے ساتھی ہیں- آپ کو معلوم ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جو اسلام رسول اللہ ﷺ سے اخذ کیا ہے، اس کے صرف تین نقطے ہیں- ایک ہے توحید کی اعلیٰ معرفت، دوسرا ہے فکر آخرت اور تیسرا ہے رسول اللہ ﷺ کا سچا اتباع- یہی الرسالہ مشن کا نصب العین ہے- اس لئے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ الرسالہ مشن موجودہ دور میں رسول اور اصحاب رسول کی تبعیت میں چلنے والا واحد دعوتی مشن ہے- مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق، اس مشن کا ساتھ دیں- یہ ایک بے حد سنجیدہ معاملہ ہے- اس معاملہ میں خدا کی رضا حاصل کرنے کا کوئی تیسرا راستہ نہیں، کیوں کہ خدا مسلمانوں کو ''شہادت علی الناس'' کے مقام پر دیکھنا چاہتا ہے- کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ الرسالہ مسئلہ کشمیر سے انکار کرتا ہے- بات دراصل یہ ہے کہ لوگ جب قومی اور وطنی ذہن سے دیکھتے ہیں تو انھیں مسئلہ کشمیر نظر آتا ہے- اس کے برعکس، اگر وہ بحیثیت داعی حق خدا کے تخلیقی منصوبہ کی روشنی میں دیکھیں تو انھیں صرف مسئلہ آخرت دکھائی دے گا جو کہ ہر انسان کا اصل مسئلہ ہے- الرسالہ جیسے بے آمیز مشن کو قبول کرنا ہمیشہ انسانوں کے لئے مشکل ترین کام رہا ہے، کیوں کہ اس راہ میں ہمیشہ انسانوں کی نفس پرستی، دنیا طلبی اور شیطان کی فریب کاریاں حائل ہوجاتی ہیں- موجودہ دور میں الرسالہ مشن کو تاریخ میں سب سے زیادہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، کیوں کہ اس کی زد ہر خود ساختہ اور بناوٹی اسلام پر پڑتی تھی-

الرسالہ مشن نے اسلام پر پڑے ہوئے مصنوعی پردوں کو ہٹا کر اس کو اس کی اصل اور ابتدائی صورت میں پیش کیا۔ اس قسم کے مشن کا ساتھ دینے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو زندہ فطرت والے ہوں، جو دائل کی عظمت کو محسوس کرتے ہوں اور جو سچائی کی تلاش اور اس کے استقبال کے انتظار میں رہتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی تعداد ہمیشہ بہت کم ہوتی ہے۔ لیکن اسی قسم کی نادر روحیں انسانیت کا حاصل ہیں۔ اُن کی قدر و قیمت خدا اور اس کے فرشتوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

میں آپ کی خدمت میں مولانا وحید الدین خاں کے دو تاثرات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ایک آئینہ ہے جس میں ہم الرسالہ مشن کے ساتھی خود کو دیکھ سکتے ہیں۔ اپنی ڈائری میں مولانا نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ’’دو احساسات ہر وقت غم کا پہاڑ بن کر میرے اوپر چھائے رہتے ہیں۔ ایک دعوتِ دین اور اصلاحِ امت کی ذمہ داری، دوسرے آخرت کی جواب دہی کا مسئلہ ـــــ ان دو غموں کے نیچے میری شخصیت گویا کچل کر رہ گئی ہے۔ کتنا جینے کی ضرورت ہے اور حال یہ ہے کہ ایک لمحہ بھی جینے کی طاقت نہیں۔ اِسی طرح آخرت کی دنیا میں لازمی طور پر داخل ہونا ہے اور آخرت کی دنیا میں داخل ہونے کی ذرا بھی ہمت نہیں‘‘۔ اسی طرح اپریل 2000 میں سہارن پور کے ایک سفر کے دوران ایک صاحب نے مولانا سے کہا کہ میں آپ کی تحریریں برابر پڑھتا رہا ہوں اور ان کو پسند کرتا ہوں، مگر سوال یہ ہے کہ آپ کے بعد کون؟ مولانا نے جواب میں کہا کہ اکثر لوگ اس طرح کے سوال کرتے ہیں، مگر میں تو یہ سوچتا ہوں کہ میری موجودگی میں کون؟ میری دعوتی جدوجہد تقریباً پچاس سال کی مدت تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس راہ میں، میں نے اپنا خون خشک کیا، میری شخصیت ویران ہوگئی، میرے دن اور رات کا سکون چھن گیا، مگر اب بھی ہر طرف وہی حال نظر آتا ہے جس کی مثال انجیل میں ان الفاظ میں دی گئی ہے کہ ـــ ہم نے بانسری بجائی، مگر تم نے رقص نہیں کیا، ہم نے ماتم کیا، مگر تم نہیں روئے۔

محترم ساتھیو، الرسالہ کا دعوتی مشن ہماری صلاحیتوں اور اثاثوں کا بہترین مصرف ہے۔ اسی سے ہم اپنے خالق کی رضا اور خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں من أنصاري إلى الله کے جواب میں نحن أنصار الله کہنے کی سچی توفیق عطا فرمائے۔ (نذیر الاسلام، پلوامہ، کشمیر)

- مولانا محترم، بنا تعارف آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی توفیق براہِ راست اللہ تعالی نے نصیب فرمائی۔ اِس سعادت کے لیے اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں، وہ کم ہے۔ بندہ تقریباً 35 سال سے حصول معرفت الٰہی کے لیے متجسس تھا۔ اِس کے لیے بے شمار کتب کا مطالعہ کیا، لیکن تسکینِ قلب حاصل نہ ہوئی۔ اِس تلاش میں میں ناکام رہا اور امید چھوڑ بیٹھا، لیکن قلب میں تڑپ موجود تھی۔ آخر کار اللہ نے مجھ پر رحم فرما دیا اور مورخہ 30 مارچ 2012 بروز جمعہ جب میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے رام بن بازار (کشمیر) کے قریب کے راستے سے گزر رہا تھا تو میں نے دیکھا کہ اُس راستے میں دور تک کچھ چھپے ہوئے ورق کے پھٹے ہوئے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہیں اور لوگ اُن کے اوپر سے چل رہے ہیں۔ جب میں قریب پہنچا تو ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر ’God‘ لکھا ہوا میں نے پڑھا۔ میں بیٹھ گیا اور اپنے رب کے نام کے ساتھ شامل عبارت کے ورق کو پھاڑ کر پھینکنے کی وجہ معلوم کرنے کے لیے میں نے اُن تمام چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو اکٹھا کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ بعد فراغت نماز جمعہ، اپنے گھر جا کر میں

نے اُن تمام ٹکڑوں کو اپنی اپنی جگہ جوڑنے کی کوشش کی۔ بہت محنت اور دقت کے بعد آخر کار میں اس پورے ورق کو مکمل طور پر جوڑنے میں کامیاب ہوگیا اور اب اسے پڑھنا شروع کیا۔ تمام عبارت انگریزی زبان میں تھی اور مضمون کا عنوان یہ تھا: 'Creation Plan of God'۔ تمام عبارت پڑھنے اور سمجھنے کے بعد میری روح میں انقلاب جیسی کیفیت محسوس ہوئی اور میں تڑپ گیا کہ شاید مجھے میری منزل مل گئی۔ لیکن اس میں مضمون کے مصنف کے بارے میں کوئی جانکاری نہ تھی اور نہ ہی اُن کی کسی کتاب کے بارے میں مجھ کو معلومات حاصل تھی۔ آخر میں CPS International کا فون نمبر اور پتہ درج تھا۔ میں نے سی پی ایس (نئی دہلی) کو فون کیا۔ وہاں سے محترم حمید اللہ حمید بیروہ (کشمیر) سے رابطہ کرنے کی ہدایت ہوئی۔ میں نے محترم حمید اللہ حمید سے فون پر رابطہ کیا جن کے ساتھ پہلے سے میرا کوئی تعارف نہ تھا۔ انھوں نے مجھے آپ کی تصانیف — کتاب معرفت، تذکیر القرآن اور ماہ نامہ الرسالہ کی کاپیاں بھیجیں۔ مطالعے سے مجھے معرفت کیا ہے، اس کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی اور معرفت الٰہی کے درجے تک پہنچنے کا راستہ معلوم ہوا۔ اُسی دن سی میری روحانی کیفیت میں مکمل تبدیلی آگئی اور آج میں وہ انسان نہیں ہوں جو میں اب سے پہلے تھا۔ مجھے اپنی 62 سال کی عمر کا وقت بے کار ضائع ہوجانے کا احساس ہوا اور میں اِس فکر میں ڈوب گیا کہ اب میری مغفرت کیسے ہوگی، اب کیا کروں۔ لیکن آپ کی کتب اور الرسالہ کے مطالعے سے اُمید ہوگئی کہ ابھی جو کچھ عمر کا حصہ باقی ہے، اس میں دعوت دین کا کام کرنے میں لگ جاؤں، تاکہ فلاح پاسکوں۔ بس ارادہ کرلیا ہے اور دعوت کا کام شروع کردیا ہے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ میرے حق میں اللہ سے دعا کریں کہ میں دعوت الی اللہ کے اِس مشن میں ثابت قدم رہوں اور کامیاب ہوجاؤں۔ (محمد اقبال سوہل، پرلوت، ضلع رام بَن، جموں وکشمیر)

- I attended two days Kashmir Dawah Meet held in New Delhi. Infact, I experienced anda learnt a lot from da'ees of islam. The lectures of Maulana Wahiduddin Khan and the tips given and experiences shared especially with Dawah Field Team, CPS (DFT) boosted me a lot and gave enthusiasm to work for dawah in future. Infact, this annual conference is of great importance for da'ees of the mission. (M Ismail Bhat, Kashmir)
- The entire Kashmir Dawah meet was such an inspiration that I feel I am re-born with a renewed understanding of my purpose in life. I was listening to the whole program. Everyone spoke from their heart for it reached our hearts. This is a sure sign of speaking from the heart. (Fathima Sarah, Centre for peace Bangalore)

25- مسٹر جگ پال سنگھ (ایم ایل اے، سہارن پور) کے یہاں 6 دسمبر 2012 کو اور ڈاکٹر آر پی شرما کے یہاں 7 دسمبر 2012 کو ان کے بیٹے کے شادی کی تقریب تھی۔ اِس موقع پر اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کو قرآن کا ترجمہ دیا گیا۔ مسٹر پنّالال (لیڈر آر ایس ایس) کو قرآن کا ترجمہ دیا گیا تو انھوں نے کہا کہ قرآن مجھ کو 80 سال کی عمر میں ملا ہے۔ اگر پہلے مجھ کو قرآن مل گیا ہوتا تو قرآن پڑھ کر میں اسلام کے بارے میں اپنی رائے بناتا، نہ کہ مسلمانوں کو دیکھ کر۔ انھوں

نے کہا کہ میں بھی خدا کی اِس کتاب کو انسانوں تک پہنچانے کے پوتر (مقدس) کام میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔

26۔ رڑکی (اتراکھنڈ) کے سنٹرم (HTL) میں 8 دسمبر 2012 کو ایک ثقافتی پروگرام ہوا۔ اِس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں نے شرکت کی۔ اِس موقع پر جن لوگوں کو قرآن کا ترجمہ دیا گیا، اُن میں سے ایک ڈاکٹر جے پی نائر تھے۔ ان کی مسلم بیوی نے کہا کہ اب ہم خود بھی قرآن کا مطالعہ کریں گے اور مسٹر نائر کی فیملی کے لوگوں تک قرآن کا پیغام پہنچائیں گے۔ قرآن نے ہمارے لیے دعوت کے کام کو بہت آسان بنا دیا ہے۔

27۔ کوچی (کیرالا) کے ارنا کلا تھپن گراؤنڈ میں یکم دسمبر سے 10 دسمبر 2012 کے درمیان ایک بک فیر ہوا۔ اِس میں گڈورڈ بکس (نئی دہلی) نے حصہ لیا۔ اسٹال کا انتظام مسٹر ممتاز نے سنبھالا۔

28۔ حیدرآباد کے گلوبل پیس آڈی ٹوریم میں 17۔21 دسمبر 2012 کو حسبِ ذیل موضوع پر ایک پروگرام ہوا:

Ist World Parliament on Spirituality

اِس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے دہلی سے انگریزی زبان میں موضوع پر ایک اسپیچ دی۔ اِس کے علاوہ، کانفرنس کے لیے ایک پیپر (Global Spirituality Awakening) روانہ کیا گیا، جو کانفرنس کے شرکا کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ یہ دونوں چیزیں سی پی ایس کے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔

29۔ تاج ہوٹل (سہارن پور) میں 21 دسمبر 2012 کو ہندستان ٹائمس کے طرف سے ایک پروگرام ہوا۔ پروگرام میں مقامی انڈسٹریلسٹس اور ایجوکیشنلسٹس کے علاوہ، اعلیٰ سرکاری نمائندے موجود تھے۔ اس کی دعوت پر ٹیم کے ممبران نے پروگرام میں شرکت کی اور بڑے پیمانے پر حاضرین کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی پمفلٹس دئے۔ لوگوں نے اس کو شوق سے لیا۔ تاج ہوٹل کی لائبریری میں الرسالہ مطبوعات کا ایک سیٹ بھی رکھا گیا۔

30۔ بنگلور کے پیلیس گراؤنڈس، ہمکری سرکل (گائتری وہار) میں 23-14 دسمبر 2012 کے درمیان ایک بک فیر ہوا۔ اس میں بنگلور کے دعوہ سنٹر کے ممبران نے ایک بک اسٹال لگایا۔ یہاں سے بڑی تعداد میں لوگوں نے قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر حاصل کیا۔

31۔ نئی دہلی کے رام لیلا گراؤنڈ میں 23-14 دسمبر 2012 کے دوران ایک نیشنل بک فیر ہوا۔ اِس میں سی پی ایس دعوہ فیلڈ ٹیم (DFT) کے ممبر مسٹر جنید الاسلام نے اپنے ذاتی انتظام کے تحت ایک بک اسٹال لگایا۔ یہاں سے کافی لوگوں نے دعوتی لٹریچر اور قرآن کا ترجمہ حاصل کیا۔ دعوتی اعتبار سے یہ اسٹال بہت کامیاب ثابت ہوا۔

32۔ نئی دہلی کے ایک پلے گروپ (Pierrot's Troupe) کی طرف سے 16 دسمبر 2012 کی شام کو شری رام سنٹر (نئی دہلی) کے آڈیٹوریم میں ایک پلے شو (لال قلعے کا آخری مشاعرہ) ہوا۔ دعوہ فیلڈ ٹیم کے ممبران نے یہاں حاضرین کے علاوہ، گروپ ڈائریکٹر ڈاکٹر سعید عالم اور ان کے ساتھیوں خاص طور پر مسٹر ٹام آلٹر (Tom Alter) سے ملاقات کی اور ان کو قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا۔ گروپ کے ذمے داروں نے کہا کہ ہم کو تعجب ہے کہ آپ نے اس موقع کو اتنے اعلیٰ مقصد کے لیے استعمال کیا۔ انھوں نے کہا کہ آئندہ جب کہیں ہمارا پلے ہوگا، ہم آپ کو

انفارم کردیں گے۔ آپ وہاں آئیں اور لوگوں کو قرآن کا پیغام پہنچائیں۔ اس میں آپ کو ہمارا پورا تعاون حاصل رہے گا۔

33۔ نئی دہلی کے نہرو پارک (چانکیہ پوری) میں 23 دسمبر 2012 کو ایک پروگرام ہوا۔ یہ پروگرام مشہور میوزیشن پنڈت روی شنکر (وفات: 11 دسمبر 2012) کے لیے ٹری بیوٹ (tribute) کے طور پر کیا گیا۔ اِس میں مختلف سیاسی، سماجی اور ثقافتی شعبوں سے وابستہ اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں نے شرکت کی۔ اِس موقع پر سی پی ایس کی دعوہ فیلڈ ٹیم (DFT) کی طرف سے لوگوں کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

34۔ حیدرآباد (انڈیا) کے نکلیس روڈ پر 25-14 دسمبر 2012 کے درمیان ایک بک فیر ہوا۔ گڈورڈ بکس (نئی دہلی) نے اِس میں شرکت کی۔ بک اسٹال کا انتظام مسٹر محمد احمد خان نے سنبھالا۔

35۔ کرسمس (25 دسمبر 2012) کے موقع پر سہارن پور ٹیم کے ممبران نے وہاں کے مختلف مقامی چرچ میں جا کر لوگوں سے انٹریکشن کیا اور حاضرین اور چرچ کے فادرس کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا جس کو انھوں نے شوق سے لیا۔ سینٹ تھامس چرچ کے فادر مسٹر دانیال نے کہا کہ میں چرچ میں قرآن کا یہ ترجمہ بھی پڑھ کر لوگوں کو سناتا ہوں۔

36۔ دہرادون (اتراکھنڈ) میں 26 دسمبر 2012 کو ایچ آر ڈی منسٹری (نئی دہلی) کی طرف سے یوپی اور اتراکھنڈ کے ووکیشنل کالج کے ذمے داروں کی ایک میٹنگ ہوئی۔ اس کی دعوت پر سہارن پور ٹیم کے ممبران نے اس میں شرکت کی اور حاضرین کو بڑے پیمانے پر واٹ از اسلام (What is Islam) اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا۔ لوگوں نے شوق سے لیا اور اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ مثلاً مسٹر اندر جے ایس آسوال (ڈائریکٹر جن شکچھا سنستھان، دہرادون) نے کہا کہ آج میری زندگی کی تلاش کا جواب مل گیا۔ میں بچپن سے قرآن کو تلاش کر رہا تھا۔ اِسی طرح مسٹر سنتوش کمار آریہ (مظفرنگر) نے کہا کہ قرآن پا کر آج میرا جیون ایشوررخی (God-oriented) ہوگیا۔

37۔ عمان (اردن) کے رائل اسلامک سنٹر (The Royal Islamic Strategic Studies Centre) کی طرف سے 200 صفحات پر مشتمل ایک حسب ذیل کتاب شائع ہوئی ہے:

The Muslim 500: The World's 500 Most Influencial Muslims-2012

کتاب میں اسکالرس کی کٹیگری میں صدر اسلامی مرکز کا نام حسب ذیل الفاظ میں شامل کیا گیا ہے:

Wahiduddin Khan is an Islamic scholar who strongly advocates peace, interfaith, and coexistence. He is the author of over 200 books including a translation and commentary of the Qur'an into simple English. He is also the co-founder,along with his son, Dr. Saniyasnain Khan, of the popular publisher of children's book 'Goodword.' (page 111)

38۔ دہلی سے انڈیا اور انڈیا کے باہر (امریکا) کے لیے صدر اسلامی مرکز کے ٹیلی فون خطاب کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ خطابات سی پی ایس کے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ نیز نئی دہلی کے انگریزی اخبار ٹائمس آف انڈیا میں صدر اسلامی مرکز کے مضامین برابر شائع ہو رہے ہیں۔ یہ مضامین سی پی ایس کے ویب سائٹ پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

39- انگریزی ترجمہ قرآن اور الرسالہ مشن سے متعلق چند تاثرات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

- I just want to say I enjoyed reading your opening statement in Quran I got from a booth at a local festival of where I live. I plan to keep reading the Quran and learn its teachings. I'm in search of peace in my life and find Islam to be a very peaceful religion. Thank you. (Walden Corpuz, USA)
- There are some people who are regular readers of Al-Risala in the tribal areas also. These areas need the peace material very much. Al-risala copies and Maulana Sahib's books are regularly being distributed there. There are some Afghan nationals who are working here in Peshawar. (M. Salman, Pakistan)
- Dear Maulana Wahiduddin Khan, I have read every bit of your published writings. Also, I have listened to your recorded speeches to a greate extent and I am still listening to them everyday. I would say at this point, Allah being my witness, that you have done your job of explaining the mission of Islam to us to the fullest extent. You have made it fully comprehensible to us. You have cleansed our hearts of negativity and taught us to love humanity, the supreme concern of Allah. Now it is our duty to take this message to the people all over the world. Therefore, Maulana, I and also on behalf of USA and Canadian team declare our oath of allegiance to you and to your mission that we will dedicate ourselves to spread Allah's message under Al Risala Mission until our last breath no matter what may come. May Allah and His angels be witness to this. (Khaja Kaleemuddin, Pennsylvania_USA)

Rahnuma-e-Zindagi
by
Maulana Wahiduddin Khan
ETV Urdu
Tuesday and Thursday 5.00 am

ISLAM FOR KIDS
by
Saniyasnain Khan/Maria Khan
ETV Urdu
Every Sunday 9.00 am